انارکلی

(ڈرامہ)

امتیاز علی تاج

درامہ

ڈرامہ

انارکلی

سید امتیاز علی تاج

پیش کش

تاج اکیڈمی

حیدر آباد - آندھرا پردیش

قیمت

دو روپیہ آٹھ آنے

اسٹاکسٹ

نیشنل بک ڈپو

مچھلی کمان حیدرآباد دکن

فون ۴۷۵۷

مطبوعہ

نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چارکمان حیدرآباد فون ۵۷۰۴

حجاب اسمٰعیل کے نام

اتنا مختصر خط نہ اس سے پیشتر کبھی لکھا نہ آئندہ لکھوں گا۔
لیکن جن مخلصانہ جذبات کا اظہار مقصود ہے وہ ایک
لفظ میں بھی ادا ہو سکتے ہیں۔ اس مختصر عریضے کو شرف
قبولیت بخشنے کتاب کا پڑھنا ضروری نہیں۔
اسے ایک ضمیمہ سمجھیے۔ طول گر بے معنیٰ۔

امتیاز
دسمبر ۱۹۲۱ء

دیباچہ

میں نے انارکلی ۱۹۲۲ء میں لکھا تھا۔ اس کی موجودہ صورت میں تھیٹروں نے اسے قبول نہ کیا۔ جو مشورے ترمیم کے لئے انھوں نے پیش کئے انھیں قبول کرنا مجھے گوارا نہ ہوا۔

مغربی ڈراما کے مطالعے کے بعد دس سال پہلے بھی اسے طبع کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اور ڈراما کی حالت دیکھتے ہوئے آج بھی اسے طبع کرانے میں تامل ہے۔

جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں، تاریخی اعتبار سے یہ قصہ بے بنیاد ہے۔ لاہور میں محکمہ آثارِ قدیمہ کی طرف سے انارکلی کے مقبرے میں اس کی جو داستان ایک فریم میں لگی ہوئی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

لاہور کا سول اسٹیشن انارکلی کے نام سے مشہور ہے یہ خطاب شہنشاہ اکبر کے حرم میں نادرہ بیگم یا شرف النسا بیگم ایک منظورِ نظر کنیز کو ملا تھا۔ ایک روز اکبر شیش محل میں بیٹھا تھا۔ نوجوان انارکلی اس کی خدمت میں مصروف تھی۔ تو اکبر نے آئینوں میں دیکھ لیا کہ وہ سلیم کے اشاروں کا جواب تبسم سے دے رہی ہے بیٹے سے مجرمانہ سازش کے شبہ پر شہنشاہ نے اسے زندہ گاڑ دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں اسے مقررہ مقام پر سیدھا کھڑا کر کے اس کے گرد دیوار چن دی گئی۔ سلیم کو اس کی موت کا بے حد صدمہ ہوا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد اس نے انارکلی کی قبر پر ایک نہایت عالیشان عمارت بنوا دی۔ اس کا تعویذ خالص سنگِ مرمر کی ایک ہی سل سے بنا ہوا ہے جو اپنے حسن کے لحاظ سے غیر معمولی اور نقش کے اعتبار سے نادرِ روزگار ہے۔

بقول ایسٹوک کے یہ تعویذ دنیا میں سنگ تراشی کے بہترین نمونوں میں سے ہے۔ اس کے اوپر اللہ تعالےٰ کی ۹۹ صفات کندہ ہیں۔ پہلوؤں پر یہ شعر کھدا ہوا ہے جو انارکلی کے عاشق شاہ جہانگیر نے خود کہا تھا ؂

"تا قیامت شکر گویم کردگارِ خویش را" "آہ گر من باز بینم روئے یارِ خویش را"

(مجنون سلیم اکبر)

ایک دوسرے قدیم میں اس عمارت کی تاریخ لکھی ہے کہ کسی زمانے میں اس عمارت سے کام لیا گیا۔ اس سلسلے میں انارکلی کے زندہ گاڑنے کی تاریخ ۱۵۹۹ء اور مقبرے کی تکمیل کی تاریخ ۱۶۱۵ء درج ہے۔

یہ داستان نہ معلوم کب اور کیونکر ایجاد ہوئی اور لاہور کی جن تواریخ میں اس کا تذکرہ ہے، ان میں کہاں سے لی گئی۔ خود داستان میں اندرونی شہادتوں کی بنا پر کئی ایسے نقائص ہیں، جن کی وجہ سے یہ قرینِ قیاس نہیں ہوتی۔ لیکن ان امور پر مؤرخ مجھ سے بہتر بحث کر سکتا ہے۔

میرے ڈرامے کا تعلق محض روایت سے ہے۔ بچپن سے انارکلی کی فرضی کہانی سنتے رہنے سے حسن و عشق اور ناکامی و نامرادی کا جو ڈرامہ میرے تخیل نے مغلیہ حرم کی شوکت و تجمل میں دیکھا اس کا اظہار ہے۔ اب تک جن لوگوں نے اسے سنا، ان کا اس امر پر اختلاف ہے کہ یہ ٹریجیڈی سلیم اور انارکلی کی ہے یا اکبرِ اعظم کی۔ لیکن "انارکلی" میں اتنی دلاویزی ہے کہ نام تجویز کرتے وقت کسی دوسرے امر کو ملحوظ رکھنا میرے لئے ناممکن تھا۔

ہندوستان کے مایہ ناز مصور اور میرے محترم دوست عبدالرحمٰن چغتائی نے میرے مردہ الفاظ کے ساتھ اپنے زندہ نقوش کو شامل کر دیا ہے۔ یوں اس ڈرامے کی طباعت بھی میرے لئے ویسی ہی خوشی کی موجب ہے جیسا اس کا اسٹیج پر آ جانا میرے لئے ہوتا۔ وہ اسے اپنا احسان بھی نہ سمجھیں۔ مگر میں اسے اپنے لئے فخر و عزت کا باعث بھی سمجھتا ہوں۔

میرے دوست غلام عباس صاحب اور مولانا چراغ حسن حسرت نے نظرِ ثانی اور طباعت کے دوسرے کاموں میں جس محبت اور سرگرمی سے دلچسپی لی۔ اس کا دلی شکریہ ادا کئے بغیر میں یہ دیباچہ ختم نہیں کر سکتا۔"

سید امتیاز علی تاج

۷۔ ریلوے روڈ۔ لاہور

افراد

جلال الدین محمدؐ اکبر .... شہنشاہِ ہند

سلیم .... اکبر کا بیٹا اور ولیعہد

بختیار .... سلیم کا بے تکلف دوست

رانی .... اکبر کی راجپوت بیوی اور سلیم کی ماں

انارکلی .... حرم سرا میں اکبر کی منظور نظر کنیز

ثریا .... انارکلی کی چھوٹی بہن

انارکلی کی ماں ....

دلآرام .... انارکلی سے پہلے اکبر کی منظور نظر کنیز

زعفران .... حرم سرا کی ایک شوخ کنیز

ستارہ .... حرم سرا کی کنیز۔ زعفران کی سہیلی

مروارید .... حرم سرا کی کنیز۔ دلآرام کی رازدار

عنبر .... حرم سرا کی کنیز۔ دلآرام کی رازدار

خواجہ سرا کافور .... کنیزوں کا داروغہ

(داروغہ زنداں۔ خواجہ سرا۔ بیگمیں۔ کنیزیں وغیرہ)

مقام .... قلعۂ لاہور

زمانہ .... ۱۵۹۹ء کا موسم بہار

مناظر

باب اوّل

عشق

منظر اول	حرم سرا اور پائیں باغ کے درمیان ایک بارہ دری
منظر دوم	سلیم کا ایوان
منظر سوم	حرم سرا میں ایک غلام گردش
منظر چہارم	حرم سرا کا پائیں باغ

باب دوم

رقص

منظر اول	سلیم کا ایوان
منظر دوم	انارکلی کا حجرہ
منظر سوم	قلعہ لاہور کا ایک ایوان
منظر چہارم	شیش محل

باب سوم

موت

منظر اول	سلیم کا ایوان
منظر دوم	زنداں
منظر سوم	اکبر کی خواب گاہ
منظر چہارم	زندان کا بیرونی منظر
منظر پنجم	سلیم کا ایوان

باب اول

منظر اول

مغلِ اعظم جلال الدین محمد اکبر شہنشاہِ ہند کی محل سرا میں موسم بہار کی ایک دوپہر ظہر کی نماز ادا ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب وقت ہو چکا ہے۔ ستونوں اور محرابوں کے سائے طویل ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ بیگمیں دوپہر کی استراحت ختم کرنیوالی ہیں معمر خادمائیں دوسرے وقت کے کاموں میں مصروف ہو چکی ہیں لیکن ابھی رونق اور چہل پہل کا وہ ہنگامہ برپا نہیں ہوا۔ جو مشرقی حکمرانوں کی محل سراؤں کو نشاط و طرب کی دنیا بنائے رکھتا ہے۔

ایک کشادہ اور بلند بارہ دری جو حرم کے صحن اور پرانے پائیں باغ کے درمیان واقع ہے اور پائیں باغ میں ملازمین حرم کے جدید حجرے تعمیر ہو جانے کے باعث اب بیگموں کے استعمال میں نہیں رہی۔ الگ تھلگ اور صحن حرم سے دور ہونے کی وجہ سے نوجوان کنیزوں اور خواصوں کی مرغوب آرام گاہ ہے جہاں وہ اسوقت بھی بڑی بوڑھیوں کی نظروں اور طعنوں سے محفوظ ہو کر اپنی فراغت کا بقیہ وقت اطمینان اور بےفکری سے گزار رہی ہیں۔

کچھ بیٹھی چوسر کھیل رہی ہیں۔ کچھ شطرنج کی چالوں میں دنیا و مافیہا سے غافل ہیں۔ ایک طلب والی نے پاندان کھول رکھا ہے۔ کبھی پان لگا کر کھاتی ہے کبھی چھالیہ کترتے کترتے آرسی میں کی دھڑی معائنہ کر لیتی ہے جنہیں بیگموں سے سلیقے اور سگھڑاپے کی داد ملتی ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی شہرت برقرار رکھنے کی فکر میں سر گند ھوا رہی ہے کوئی پرانے دوپٹہ کو نئے سرے سے رنگوا کر اس پر لچکا ٹانک رہی ہے۔ جنہیں ملازمانہ زندگی کے سرد و گرم اور گرانباریوں نے بےحس بنا دیا ہے ان کے

نزدیک فراغت کا بہترین مصرف نیند ہے لیکن اس مقام کی خلوت کا پورا فائدہ زعفران اور ستارہ اٹھا رہی ہیں چنچل اور منہ پھٹ لڑکیاں ہیں. گانے بجانے کی شوقین لیکن موسیقی سے زیادہ موسیقی داوں کے زن اور چہرے کی کیفیات او اکرنے سے دلچسپی ہے. اس وقت سب بندھنوں سے آزاد ہو کر ستار کے ساتھ گا رہی ہیں. پپیہڑوں کا زور گیت کی نسبت تحسین باہمی میں زیادہ صرف کر رہی ہیں.

دوسری جانب دلآرام، مروارید وعنبر ایک کونے میں بیٹھی رازدارانہ انداز میں سرگوشیاں کر رہی ہیں. دلآرام پیڑھی پر بیٹھی اپنے پختہ حسن کے اعتبار سے نہ صرف ہمزادوں میں بلکہ تمام محفل میں نمایاں نظر آ رہی ہے لمبی آنکھ، اونچی اور پتلی ناک اور واضح ٹھوڑی کہہ رہی ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں جنھیں زندگی کی روایتی سنت میں ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دینے پر مجبور کر دیتی ہے ہزیمت کے آثار و تفکرات نے چہرے کو بے رونق بنا رکھا ہے. لیکن آنکھوں میں تصورات کا لوح ظاہر کر رہا ہے کہ بساط سے بڑھ کر سوچ رہی ہے.

دلآرام. (گفتگو کے دوران میں دو ایک مرتبہ چیں بجبیں ہو کر زعفران اور ستارہ کی طرف یوں دیکھتی ہے گویا انکے شور وغل سے پریشان ہے یہ چپ ہو رہتی ہے آخر نہیں رہا جاتا ہے)

اے ہے توبہ! کیسا گلا پھاڑ پھاڑ کر گا رہی ہیں. کمبخت ہی آواز نہیں سنائی دیتی.

مروارید. (دلآرام کی پہل سے حوصلہ پا کر) دوپہر میں دو گھڑی کا آرام بھی تو کم بختوں نے حرام کر دیا ہے.

زعفران. ہم تمہیں کیا کہہ رہے ہیں؟

مروارید. صریحاً گھر کا گھر سر پہ اٹھا رکھا ہے. بات کرنی دشوار کر دی ہے. ابھی بیچاری کچھ کہہ ہی نہیں رہی ہیں.

زعفران۔ پھر جیسے باتیں کرتی ہوں کہیں اور جا بیٹھے۔

عنبر۔ مگر یہ تان سین کی بچی گائیں گی ضرور۔

زعفران۔ (ستارہ پھر سے چھیڑنے کو تھی مگر عنبر کی گالی بھلا کیسے سُن لے) منہ سنبھال کے بات کر

عنبر۔ واہ! بڑی آئی کہیں کی گالیاں دینے والی۔ تو ہی بکتی ہو گی تان سین کی کوئی ہوتی ہوگی۔

دلآرام۔ نہیں مانے گی زعفران۔ بڑ بڑ بکے جا رہی ہے۔ میں جا کر چھوٹی بیگم سے کہہ دوں گی۔

زعفران۔ آئے تو منع کس نے کیا ہے۔ ایک بار نہیں ہزار بار۔

ستارہ۔ (مصالحت کے ناصحانہ انداز میں) چلو زعفران ہمیں کیا جو جلے جلیں باغ میں چلکر بیٹھتے ہیں

زعفران۔ (اتنی مختصر جھڑپ سے دل کا غبار کہاں نکل سکتا ہے) اب وہ دن گئے جب کماں چڑھی ہوئی تھی۔ اب بیگموں سے بات تو کرکے دیکھیں کوئی منہ بھی نہ لگائیگا۔ جسقدر انکے منہ چڑھی تھیں ویسے ہی گری بھی ہیں بہتیرا اِنھیں کو بھاتی بیگموں کی خوشامد میں لگی رہتی ہیں کوئی بھی گھاس نہیں ڈالتا۔ آئی کہیں کی!!

(دوسری کنیزیں جو اس بحث میں شامل نہیں۔ مگر متوجہ ضرور ہیں۔ زیر لب تبسّم اور اشاروں کنایوں سے زعفران کی جراُت کی داد دیتی ہیں۔)

ستارہ۔ اے ہے زعفران تم بھی تو پیچھے جھاڑ کے پیچھے پڑ جایا کرتی ہو۔

(ستارہ زعفران کے ہاتھ سے لے لیتی ہے کہ اسے پھر گانے بجانے کے شغل میں مصروف کرے)

زعفران۔ (میں کیوں دبوں کسی سے) بہت دن ان کی ناز برداریاں کیں۔ اب تو انار کلی انکی بہار ہے۔ ان سے ڈرے میری جوتی!

دلآرام۔ (جلکر کھڑی ہو جاتی ہے) اچھا ٹھہر تو تو مردار ید۔ جو یہ کتر کتر کرتی ہے۔ جیسب ہی نہ گُدی سے کھینچ لوں تو سہی۔

زعفران۔ ذرا منہ تو بنوا کر آؤ۔ (ستارہ زعفران کو لے جانے کے لئے کھینچتی ہے)

عنبر۔ (اُٹھتے ہوئے) چڑیل مرواید!

زعفران۔ بی، بی، بی، بی، بی!

(منہ چڑا دیتی ہے ستارہ منہ چڑاتی کو زبردستی کھینچ لیجاتی ہے، دوسری کنیزیں بمشکل اپنی ہنسی روکتی ہیں۔ دلآرام اور عنبر خون کے سے گھونٹ پی کر اپنی جگہ بیٹھ جاتی ہیں اسی درمیان میں چوسر کھیلنے والی لڑکیوں میں سے ایک کی آواز آتی ہے کیوں کیسی رہی؟ شطرنج کھیلتے میں سے ایک کہتی ہے "اب چلو کہاں چلتی ہو؟" دلآرام عنبر اور مروارید ذرا دیر خاموش رہتی ہیں اور پھر رازدارانہ انداز میں سرگوشیاں کرتی ہیں۔

مروارید۔ دیکھا! میں نہ کہتی تھی۔ نقشہ ہی بدل گیا ہے۔

عنبر۔ محل کا محل اسی مروارید کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔

مروارید۔ پھر اس میں کسی کا کیا قصور۔ دلآرام نے آپ ہی تو اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔

عنبر۔ (کسی قدر توقف سے) میں کہتی ہوں یہ تمہیں چھٹی لینے کی سوجھی کیا تھی؟

دلآرام۔ اب مجھے کیا خبر۔ ذرا سی چھٹی میں رنگ ہی بدل جائیگا۔ (تامل کے بعد) مجھے معلوم ہوتا تو بیمار بہن پڑی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم بھی توڑ دیتی۔ میں پاس نہ پھٹکتی۔

عنبر۔ بہن کے پیچھے مفت میں بنی بنائی بات کھو دی۔

دلآرام۔ (کچھ دیر متفکر انداز میں سر جھکائے بیٹھی رہتی ہے) مگر سان نہ گمان یہ کایا پلٹ ہوئی تو کیوں کر؟

عنبر۔ ہوئی یوں کر۔ رات کو جشن تھا۔ نادرہ نے میدان جو تم سے خالی دیکھا خوب بن ٹھن کر جا شامل ہوئی ——"

مروارید۔ نہیں بھئی ایمان ایمان کی کہو۔ نادرہ تو الگ تھلگ رہتی ہے۔ اس کی ماں اس کا بناؤ سنگھار کر کے لے گئی تھی ——"

عنبر۔ لے وہ ایک ہی بات ہے بیٹی گئی یا ماں لے گئی۔ ایک تو کم بخت تھی ہی چاند کا ٹکڑا سونے پر سہاگا۔ سنگھار قیامت بن گئی۔“

مروارید۔ پھر جو گانا وغیرہ سنایا اور جہاں پناہ سے دو ایک چونچلے کئے۔“

عنبر۔ تو جہاں پناہ تو تم جانو۔ دل رکھنے کو ہر ایک کی تعریف کر ہی دیتے ہیں کہنے لگے۔ نادرہ تم تو عین مین انارکلی معلوم ہوتی ہو۔

مروارید۔ اور اس کے گانے اور حاضر جوابی سے خوش ہو کر اپنا موتیوں کا ہار انعام میں بخشا۔ پھر کیا تھا۔ پل بھر میں تمام محفل "انارکلی" کے نام سے گونج اٹھی۔

کافور۔ (بائیں باغ کی ڈیوڑھی میں سے) عنبر! اے مروارید! اری او ماہ پارا!

دلآرام۔ (فکرمندی سے مگر بظاہر بے پروا بنکر) صاحب عالم بھی جشن میں موجود تھے؟

عنبر۔ جھوم جھوم کر انارکلی کو داد دے رہے تھے۔

کافور۔ (وہیں ڈیوڑھی میں غل مچا رہا ہے) اے اللہ! کہاں مر گئیں یہ نامرادیں؟

راحت۔ (کھیل سے سر اٹھا کر) سنا نہیں بی کافور پکار رہی ہیں۔

مروارید۔ (منہ موڑ کر بے پروائی سے) کوئی وقت ہے بھی جب نہ پکارتی ہوں۔

کافور۔ (چلکر بارہ دری میں آنے سے بچنا چاہتا ہے) اری کمبختو! کانوں چوہے گئے کیا؟

مروارید۔ (دلآرام سے) جو ہوا سو ہوا۔ اب آئندہ کی کہو۔

عنبر۔ (دلآرام کو متامل دیکھکر) دم خم باقی ہے کہ دب رہو گی؟

دلآرام۔ اس کل کی چھوکری سے؟

عنبر۔ پھر آخر کیا کرو گی؟

دلآرام۔ (سامنے گھورتے ہوئے) ناگن کی دم پر کوئی پاؤں رکھدے۔ تو وہ کیا کرتی ہے؟

مروارید۔ آخر؟

(کنیزوں کا داروغہ خواجہ سرا کافور داخل ہوتا ہے۔ لحیم شحیم شخص سیاہ رنگت بکے آنکھو

نیچے اور باچھوں پر ایسی جھریاں جن سے عیاری ظاہر ہے۔ دلآرام اسے دیکھکر انگلی ہونٹوں پر رکھ لیتی ہے اور عنبر اور مروارید کو چپ ہونیکا اشارہ کرتی ہے)

کافور۔ اری مردارو! اللہ ماریو! کانوں میں کیا روئی ٹھونس کر بیٹھی ہو؟ چیخ چیخ کر گلا آگیا۔ جو کوئی بھی پھوٹے منہ سے ہنکارا بھرے۔ سارے کہیں کے کہیں پہنچ گئے۔ عصر کی اذاں ہو گئی۔ نہ حمام تیار کئے۔ نہ گلاب پاش بھرے نہ پھول چنگیریوں میں رکھے گئے۔ نہ بجرے سیر کیلئے سجے۔ جوان نگوڑے مارے کھیلوں کو چولھے میں نہ جھونک ڈالوں۔ نہ دین کی نہ دنیا کی۔ نہ کام کا ہوش نہ سر پیر کا فکر۔ دن بھر بیٹھی کھیل رہی ہیں۔ اور دل ہی نہیں بھرتا۔ اے تم غارت ہو کم بختو۔ جیسا تم نے مجھ بڑھیا کو ستایا ہے۔

(کنیزیں سب چیزیں سمیٹ سماٹ کر بھاگ جاتی ہیں)

دلآرام۔ (چلتے چلتے آہستہ سے عنبر سے) دیکھنا ابھی بات کی بھنک بھی کسی کے کان میں نہ پڑے۔

عنبر۔ نشاط خاطر رہو۔

کافور۔ (دلآرام سے) یہ تم کھڑی کیا مسکوٹ کر رہی ہو۔ سنا نہیں۔ میں نے کیا کہا؟

دلآرام۔ (چڑکر) سن لیا! سن لیا!

کافور۔ سن لیا تو اب کیا کسی اور طرح سمجھانے پر سمجھو گی؟

دلآرام۔ (دبے ہوئے غصے سے) دیکھو بی کافور۔ ہوش میں رہ کر بات کیا کرو مجھ سے میں نہ سہوں گی بدزبانیاں۔

کافور۔ کیوں تم میں کونسا سرخاب کا پر لگا ہے؟ اسے کیا اب تک اسی بات پر پھولی ہو۔ کہ کبھی ظل الہی کے حضور میں باریابی حاصل تھی۔ اس دھوکے میں نہ رہنا۔ ہو چکی ڈھائی پہر کی بادشاہت۔ اب تو ایک ہی لاٹھی سے ہانکی جاؤ گی۔ اف رے دماغ! کہ میں نہ سہونگی یہ بدزبانیاں۔

دلآرام (وقار سے) بی کافور میں ظلِ الٰہی کی نظروں سے اتر گئی سہی پر ان کی یاد سے ابھی نہیں اتری۔

(دلآرام کی وقار آمیز گفتگو سے کسیقدر مرعوب ہو کر) اے تو میں نے تمہیں ایسی کیا بری بات کہدی کہ بگڑ بیٹھیں۔ اتنا ہی کہا تھا نہ کہ بیٹی باتیں پھر کسی وقت کر لینا۔ اب چل کر اپنا کام کرو۔

(دلآرام کے چہرے پر حقارت کا ایک خفیف سا تبسم نمودار ہوتا ہے اور وہ استغنا سے سر اٹھائے عنبر اور مروارید کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہے)۔

کافور۔ (میدان خالی دیکھ کر آپ ہی آپ بولکر دل کی بھڑاس نکالتا رہتا ہے) ذرا ذرا سی بات پر ان لوگوں کے ماتھوں پر بل پڑ جاتے ہیں۔ وقت پر چیز تیار نہ ملے تو شامت میری آجاتی ہے۔ لو گو یہ تو بڑا غضب ہے کہ زبان ہلاؤ تو گنہگار بنجاؤ۔ چپ رہو تو عتاب میں آجاؤ۔

(انارکلی کی ماں داخل ہوتی ہے سیدھی سادھی پریشان ہو جانیوالی پختہ عمر عورت جسے محل کی شوخ طبع کنیزیں محض اس وجہ سے نہیں بناتیں کہ سلیم الطبعی اور تہذیب کے علاوہ اپنے طور طریقیوں اور برتاؤ سے خاندانی عورت معلوم ہوتی ہے)

ماں۔ کیوں بی کافور کیا ہوا؟ کیوں کھول رہی ہو آپ ہی آپ؟

کافور۔ سنیں تم نے اس قطامہ دلآرام کی دھمکیاں۔ کہ کام کا تقاضہ کیا تو جا کر ظلِ الٰہی سے لگائے بجھائیگی۔ میں نے کہا۔ ایک دفعہ نہیں ہزار بار میری انارکلی کا دم سلامت رہے۔ میں کیا ایسی بھبکیوں سے سہم جاؤں گی ـــــ بیٹی کہاں ہے؟ دن بھر کہیں نظر ہی نہیں آئی آج بیگمیں بھی کئی بار پوچھ بیٹھی ہیں۔

ماں۔ کیا کہوں۔ مجھے تو اس لڑکی نے پریشان کر دیا ہے۔ صبح سے کہہ رہی ہوں کہ بیٹی جا بیگموں کو سلام کر۔ ہنس بول۔ پر گم سم بیٹھی سنتی ہے۔ اور سیدھی نہیں

تمہیں کہو۔ محل سراؤں میں کہیں یوں گزر ہو سکتی ہے ؟

کافور۔ اے ابھی انجان ہی تو ہے۔ رفتہ رفتہ سیکھ جائے گی۔

ماں ۔ (ذرا دیر چپ رہ کر) کہتی تو تھی۔ تم چلو میں آتی ہوں۔

کافور۔ (رازدارانہ انداز میں) بیگموں سے ملنے سے کتراتی ہے تمہیں اصرار کرنے کی کیا پڑی ہے۔ ظل الٰہی کی خوشنودی حاصل ہو تو سمجھو سب کچھ ہے۔

ماں ۔ (فکرمندی سے) پر کئے دن تک ؛ لگانے والے بھی تاک میں رہتے ہیں۔

کافور۔ کسی کو باریاب ہونے کا موقع ہی کیوں دے ؟

ماں ۔ (خدا جانے کچھ سوچ رہی ہے) یا یونہی اداس ہے) اتنی سمجھدار ہوتی تو پھر رونا ہی کاہے کا تھا۔

کافور۔ اے چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے۔ ادائیں سیکھنے کی اُسے حاجت نہیں۔

ماں ۔ (تامل سے) محلسراؤں میں بے ساختہ ادائیں کم نصیبی کا نشان ہوا کرتی ہیں۔

کافور۔ خدا نہ کرے، خدا نہ کرے — تم میرے سپرد کر دو بیٹی کو۔

ماں ۔ میرے کہے میں بھی ہو۔

کافور۔ دنوں میں لگا دوں پر (سرگوشی میں) بیگمیں بھی منہ ہی دیکھتی رہ جائیں۔

ماں ۔ (چونک کر کافور کو دیکھتی ہے اور پھر اندیشہ ناک نظروں سے اِدھر اُدھر تک کر انگلی ہونٹوں پر رکھ لیتی ہے)

کافور۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔

ماں ۔ (چلنے کو مڑتے ہوئے) نہ بوا۔ اللہ عزت آبرو ہی سے اٹھائے۔

کافور۔ تم جانو۔ سر پلا پرندہ اڑ نہیں سکتا۔ تو تیلیوں سے سر ٹپکا کرتا ہے۔

ماں ۔ (ٹھٹک کر کافور کو دیکھتی ہے) کیا مطلب ؟

(سامنے دیکھتے ہوئے) انارکلی !

انارکلی داخل ہوتی ہے پندرہ سولہ سال کی نازک اندام لڑکی ہلکے چمپئی رنگ میں اگر سرخی کی خفیف سی جھلک ہو تو شاید بیمار سمجھی جائے۔ خد و خال شعرا کے معیارِ حسن سے بہت مختلف اسکا چہرہ دیکھ کر ہر تخیل پسند کو پیہوؤں کا خیال ضرور آتا ہے لیکن مغلِ اعظم نے اسے جو خطاب دیا اسکے باعث موزوں معلوم ہوا۔ نم ناک آنکھوں میں جیسے حسرتیں بیٹھی جھانک رہی ہوں۔ یہی اس کی سب سے بڑی کشش ہے۔ (انارکلی ملول اور افسردہ نظر آتی ہے اور باوجود کوشش کے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ دیر سے سوچ رہی تھی ابھی اسے بھلا نہیں سکتی)

ماں۔ اے لڑکی کہاں رہ گئی تھی تو؟

انارکلی۔ چلی تو آ رہی ہوں۔

کافور۔ (بلائیں لیکر) لے قربان گئی۔ رات سے تمہیں دیکھنے کو جی ترس رہا ہے بیٹی کو دیکھو تو اس چاند سے مکھڑے پر انارکلی کا خطاب پھبتا کیا ہے۔

(انارکلی ایک اداس تبسم کے ساتھ منہ پھیر لیتی ہے)

ماں۔ (انارکلی کے جواب کے انتظار میں کچھ دیر توقف کرکے) کیسا ہے جی؟

انارکلی۔ اچھی ہوں۔

کافور۔ اور بیٹی تم نے سنیں اس حرافہ دلآرام کی باتیں تمہیں انارکلی کا خطاب کیا ملا بس جل مری ہے ابھی ابھی مجھ سے الجھ پڑی تھی کہنے لگی تم کس انارکلی پہ پھولے پھر رہی ہو میں اب بھی جو چاہوں ظلِ الٰہی سے کرا سکتی ہوں میں نے کہا لد گئے وہ دن۔ اب تو ہماری انارکلی کا راج ہے

(انارکلی چپکی کھڑی سر جھکائے انگوٹھے سے انگلیوں کے ناخن ملتی رہتی ہے ماں اسکے جواب کی منتظر رہتی ہے)

ماں۔ آج کس سوچ میں پڑی ہوئی ہے تو؟

انارکلی۔ (مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے) کسی سوچ میں بھی نہیں۔

ماں۔ (بگڑ کر) پھر ایسی گم سم کیوں ہے؟

کافور۔ اے یوں ہی رات کی تھکان ہوگی۔ جشن بھی تو بڑی دیر تک رہا رات۔ او میں جیلوں بڑا ہنگامہ رہا ہے

ہے۔ جانے وہ اللہ ماریاں کیا کر رہی ہوں گی (انار کلی کی بلائیں لیکر) خطا آج بھی کیا ہو جائے
جل الہٰی تجے! انار کلی! واہ واہ واہ! (دکا نور ہنستا ہوا رخصت ہو جاتا ہے)

ماں۔ (دکا نور کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی بگڑ کر) انار کلی!

انار کلی۔ جی اماں!

ماں۔ دنیا کی تو انار کلی' انار کلی!! کہتے زبان خشک ہوئی جا رہی ہے اور تجھے اتنی بھی توفیق نہیں کہ جھوٹے منہ دو بول شکریے ہی کے کہدے یہ آخر تجھے ہوا کیا ہے؟

انار کلی۔ (سر جھکا کر) کچھ بھی نہیں اماں بی۔ تم کو تو وہم ہو گیا ہے

ماں۔ ہاں آج ہی تو ہوا۔

انار کلی۔ کبھی نہیں بھی ہوتا، ہنسنے بولنے کو جی۔

ماں۔ بھلا کوئی بات ہے خوشی کے موقع پر نہ ہنسنا نہ بولنا۔ گم سم ہو جانا جو کوئی دیکھیگا سو نام دھریگا۔

انار کلی۔ (کسی قدر بگڑ کر) اب پڑا ۔۔۔"

ماں۔ تو بھئی میں تو یوں تم کو ساتھ لیکر بیگموں کے پاس جاتی نہیں خود ہی پڑی آتی رہنا اور نہیں تو ساتھی دفعے کہا ہی جی نہیں ہوتا تو دل پر جبر ہی کر کے ذرا ہنس بول لے۔ دکھاوے کو بندہ کیا کچھ نہیں کرتا، اب تیری سمجھ میں نہ آئے۔ تو تو جان تیرا کام۔ (ماں بگڑ کر چلی جاتی ہے)

انار کلی۔ (ملول نظروں سے اسے رخصت ہوتے ہوئے دیکھتی رہتی ہے) میری اماں! میں خوش ہونے والا دل کہاں سے لاؤں؟ تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ میں کیوں غمگین ہوں۔ اے کاش میں اپنا دل کسی طرح تمہارے سینے میں رکھ دیتی۔ پھر دیکھتی تم کیسے کہتی ہو۔ تو انار کلی ہے تو خوش کیوں نہیں ہوتی؟ میں کیسے بتاؤں۔ میں انار کلی ہوں۔ میں اسی لئے خوش نہیں ہوتی۔ تم نہیں سمجھ سکتیں، میری اماں تم نہیں سمجھ سکتیں ۔۔۔ جو کنیزیں بننے کو پیدا ہوئی ہو۔ پھر وہ خوش کیوں ہو؟ وہ تو محبت میں جل مرنے سے بھی ڈرتی ہے وہ تو ایک شہزادے کیطرف اس ڈر کے مارے نظر بھی نہیں اٹھاتی کہ کہیں اسکی آنکھوں میں محبت نہ دیکھ لے

پھر بتاؤ تو وہ انارکلی ہوئی تو کیا۔ (انارکلی پیڑھی پر بیٹھ جاتی ہے اور سر جھکا لیتی ہے)

(سورج محل کے دوسری طرف ڈھل چکا ہے۔ بارہ دری میں سے باغ کے جو سرے دکھائی دیتے ہیں ان کی سبزی سیاہ پڑ چکی ہے)

(ثریا داخل ہوتی ہے۔ تیرہ سال کی چلبلی ہوئی خوش باش اور چنچل لڑکی نقش انارکلی سے زیادہ اچھے ہیں مگر وہ دلکشی نہیں ہے۔ محل کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے حالات سن کر بہت سیانی بن چکی ہے مگر ناتجربہ کاری اور کم عمری کے باعث سیانے پن کو چھپانے کے انداز ابھی نہیں آئے۔

ثریا۔ تم یہاں ہو بہن؟ نادرہ آپا؟

انارکلی۔ کیوں ثریا!

ثریا۔ (پیار سے) چلو نہ سب تم کو بار بار پوچھ رہے ہیں۔

انارکلی۔ (افسردہ تبسم) انارکلی جو ہوئی۔

ثریا۔ کیوں آپا؟

انارکلی۔ سچ مچ بھلا کیوں؟ (چلنے کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے)

ثریا۔ (انارکلی کی کمر میں بانہیں ڈال کر) چپ چپ کیوں ہو باجی؟

انارکلی۔ (مسکرا کر ٹالتے ہوئے) نہیں تو ننھی۔

ثریا۔ (شوخی سے) ننھی تو مان جائے پر شہزادہ سلیم نہیں مانتے باجی۔

انارکلی۔ (چونک کر) صاحب عالم! تجھ سے ملے تھے؟ کب آج؟

ثریا۔ (مزے لیکر) آج دوپہر وہ حرم میں آئے تھے۔ میں انہیں راستے میں مل گئی تو لگے کہنے تمہاری انارکلی نظر نہیں آئی — کہاں ہیں وہ آج؟ میں جواب بھی نہ دینے پائی تھی کہ بولے ثریا وہ اتنی چپ چپ اور سب سے الگ الگ کیوں رہتی ہیں؟ یہ عادت ہے انکی یا ابھی دنوں انکی بھی یہ حالت ہو گئی ہے پھر میرا ہاتھ لیکے دونوں ہاتھوں میں جوش سے پکڑ کر کہنے لگے ثریا کہدو کہ میری طرح ابھی دنوں ان کی یہ حالت ہو گئی ہے۔

انارکلی۔ پھر تو نے کیا کہا؟

ثریا۔ میں نے کہا آپ کی طرح ان بیچاروں ان کی یہ حالت ہو گئی ہے۔

(انارکلی کھوئی ہوئی چوکی پر بیٹھ جاتی ہے)

بس یہ سنتے ہی انکا چہرہ گلابی ہو گیا اور خوشی کے جوش میں انہوں نے میری پیشانی کو چوم لیا۔

انارکلی۔ (ثریا کو تکتے ہوئے) چوم لیا۔ تیری پیشانی کو؟

ثریا۔ ہاں اور پھر اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ جلدی سے باہر چلے گئے

انارکلی۔ میرے اللہ! صاحب عالم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے! تو تو جو کچھ کہا کرتی ہے وہ سچ ہے ثریا؟ — (سوچتے ہوئے) پھر اس کا کیا انجام ہو گا؟

ثریا۔ (انارکلی سے لپٹ کر اور منہ اسکے کان کے قریب لا کر گویا ایک بہت بڑی بات کہنے والی ہے)

انارکلی۔ (یک لخت ثریا کے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہمہ تن گوش ہو جاتی ہے) چپ۔ ثریا چپ! دیکھو سن۔

(دونوں کوئی آواز سننے کیلئے کان لگا دیتی ہیں۔ توقف غیر محدود معلوم ہوتا ہے۔)

ثریا۔ —— کچھ بھی تو نہیں!

انارکلی۔ — ہائے کچھ تھا۔ میرا دل ڈوبا جاتا ہے ثریا، میرے کانوں میں کوئی کہہ رہا ہے، تو سوختہ اختر ہے نادرہ! (توقف) ثریا تو نے مجھے یہ کیا بتا دیا! میں نے کیوں تجھ سے یہ پوچھ لیا۔

ثریا۔ وہ سنو! باہر پیڑ پر کیا بول رہا ہے؟

انارکلی۔ کاگ!

ثریا۔ اب اس شگون پر تو خوش ہو جاؤ (باہیں پھیلا کر) میری اچھی آپا!

انارکلی۔ (ثریا کو گلے لگا کر) میری پیاری ثریا! (ثریا کے رخسار چومتے چومتے پیشانی چوم لیتی ہے اور پھر یک لخت شرما کر سر جھکا لیتی ہے)

ثریا۔ (تاڑ جاتی ہے) یہ پیشانی چوم کر تم شرما کیوں گئیں آپا؟ اسلئے کہ صاحب عالم نے بھی —"

انارکلی۔ (شرما کر منہ موڑتے ہوئے) میں بھول گئی تھی۔

ثریا۔ (گدگدا کر) کتنے مزے کی بھول ہے۔

(انارکلی۔ جدھر منہ موڑتی ہے ثریا مسکراتی ہوئی شوخی سے ادھر ہی جا کھڑی ہوتی ہے۔ آخر ہنستی ہوئی بہن سے لپٹ جاتی ہے، انارکلی اور شرما جاتی ہے اور اپنے آپکو ثریا سے چھڑا کر بھاگ جاتی ہے ثریا بھی قہقہہ لگاتی ہوئی پیچھے پیچھے بھاگتی ہے)

"پردہ"

منظر دوم

شہزادہ سلیم کے محل کا شمالی مغربی ایوان محل قلعہ لاہور میں حرم سرا کی چار دیواری سے باہر لیکن اس سے بہت کم فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ایوان جسکے آگے ایک جھروکے دار مثمن برج ہے۔ بیرونی منظر کی سرسبزی و شادابی کے باعث ایسا دل کشا اور فرحت زا مقام بن گیا ہے کہ کوئی بھی شغل اپنے اوقات فرصت گذارنے کے لئے تمام محل میں سے اس ایوان کے سوا دوسرا مقام منتخب نہ کر سکتا۔

دور جہاں آفتاب نیلے آسمان میں ارغونی رنگ آمیزی کر رہا ہے گھنے پیڑوں کے طویل سلسلے میں سے کھجوروں کے سر بلند اور ساکت درخت کالے کالے نظر آ رہے ہیں راوی ان دور کی رنگینیوں کو اپنے دامن میں قلعے کی دیوار تک لانیکی کوشش کر رہی ہے، برج کے مغربی جھروکے میں سے ایک مسجد کے سفید گنبد اور سرخ میناروں کا کچھ حصہ نظر آتا ہے۔

اندر برج کے آگے سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ہے جو تمام ایوان کے عرض میں پھیلا ہوا ہے۔ اس چبوترے کے دونوں پہلوؤں پر مغلیہ انداز کی محرابوں والے دروازے ہیں جن میں سے دایاں حرم سرا کو اور بایاں بیرونی حصوں کو جاتا ہے۔ تین سیڑھیاں جو چبوترے ہی کے برابر عریض ہیں، ایوان میں اترتی ہیں۔ ایوان کی دائیں اور بائیں دیوار میں محل کے دوسرے حصوں میں جانیکے دروازے ہیں۔

ایوان میں بیش قیمت ایرانی قالین بچھے ہیں۔ جن پر زری کے تکیوں والی مسند جڑاؤ تخت پر رکھی ہوئی بہت نمایاں نظر آتی ہے سامان آرائش کم مگر پر تکلف ہے اور اگرچہ

تزئین میں بیحد سادگی سے کام لیا گیا ہے اور بحیثیت مجموعی ایوان کسیقدر خالی خالی معلوم ہوتا ہے مگر دیواروں کے نقش و نگار۔ برج کے جھروکوں پر جالیوں کی صنعت دروازوں پر گراں قیمت بھاری اطلسی پردے اور مناسب مقامات پر طلائی چوکیاں مشبت پہلو میزیں اور ان پر جڑاؤ پھولدان دیکھنے سے مغلیہ تجمل کا اثر دل پر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

سلیم۔ برج کے جھروکے میں بیٹھا راوی پر غروب آفتاب کو دیکھ رہا ہے۔ اندر زعفران اور ستارہ دف بجا کر ناچ رہی ہیں۔ مگر ان کو علم ہے۔ کہ سلیم متوجہ نہیں۔ کچھ دیر ناچنے کے بعد وہ ٹھہر جانے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتیں۔ مگر گھڑی گھڑی اس خیال سے پاؤں ہلاتی رہتی ہیں کہ سلیم سمجھے ناچ رہی ہیں۔ زعفران؛ ستارہ کو اشارے سے چلنے کے لیے کہتی ہے۔ زعفران نفی میں سر ہلا دیتی ہے۔ آخر دونوں قریب آ کر سرگوشیوں میں گفتگو شروع کر دیتی ہیں۔

ستارہ۔ پوچھ لے پہلے۔

زعفران۔ چل بجی دے چیکے سے انھیں دریا کی سیر سے فرصت کہاں؟

ستارہ۔ اور جو مہارانی پوچھ بیٹھیں۔ ایسی جلدی کیوں لوٹ آئیں۔

زعفران۔ کہہ دینگے وہ تو دیکھ رہے تھے لہرونکا ناچ۔ ہم دیواروں کے آگے ناچتے گاتے؟

ستارہ۔ ہاں کہہ ہی تو دینگی۔

زعفران۔ اور کیا نہیں بجی؟

ستارہ۔ اے تو تم اجازت ہی جو لے لو۔ تم سے تو بہت ہنس ہنس کر باتیں کیا کرتے ہیں کیوں؟

زعفران۔ (جیسے شرما گئی۔ ہلکا سا طمانچہ مارتی ہے) چل قطامہ!

ستارہ۔ افوہ شرما بھی گئیں۔

زعفران۔ میں کیوں شرماتی۔ پوچھ لیتے ہیں ہم (زعفران اس انداز سے سلیم کیطرف جاتی ہے گویا ایک اہم خدمت کیلئے منتخب کیگئی ہے۔ کہیں پاؤں ٹیڑھا پڑ جاتا ہے اور گر پڑتی ہے) سلیم چونک کر زعفران کیطرف دیکھتا ہے اور برج میں سے اٹھکر اندر آجاتا ہے۔

تیکھے نقش کا وابستہ مزاج طبیعت کا بندہ جو شباب کی اولیں مراحل میں ہے۔

(ستارہ ہنسی روکتی ہے۔ زعفران نیچے پڑی پڑی پہلے سلیم کی طرف پھر ستارہ کی طرف دیکھتی ہے)

سلیم۔ کیا ہوا زعفران؟

ستارہ (ہنسی ضبط کرتے ہوئے) حضور سے رخصت کی اجازت لینے جا رہی تھیں۔ نگوڑے چبوترے سے ٹھوکر ——— (کھلکھلا کر ہنس پڑتی ہے)

زعفران۔ نامراد! ہنسے جا رہی ہے کھڑی کھڑی۔

سلیم۔ تم جا رہی ہو۔ تمہیں آکر اٹھائے (سلیم زعفران کو اٹھانے کے لئے اسکی طرف بڑھتا ہے۔ زعفران خود اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ ستارہ شوخی سے اس کے کپڑے جھاڑنے لگتی ہے۔ زعفران اس کے ایک تھپڑ رسید کرتی ہے)

سلیم۔ تم بہت شوخ ہو زعفران!

زعفران۔ ہاں حضور بھی جب کہتے ہیں ہمیں کو شوخ کہتے ہیں (ناز کے مصنوعی کھسیانے پن سے) ایک تو میں بھکے گر پڑی (سلیم اور ستارہ دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑتے ہیں) حضور کو تو ہنسی کی سوجھ رہی ہے۔ جاتے ہیں ہم (چلی ہی جائینگی)

سلیم۔ (مسکراتے ہوئے) کہاں چلیں؟ بات تو سنو۔

زعفران (چلتے چلتے رک کر ستارہ کی طرف دیکھتی ہے۔ اسکے چہرے پر پھر ایک پر معنی تبسم ہے) پھر اس کو بھی بھیجیے یہاں سے۔

سلیم۔ وہ تمہیں کیا کہہ رہی ہے؟

ستارہ۔ اب تو یہ نکلوا ہی لگی ہی ہیں۔ ادھر انارکلی نے سر پر چڑھا رکھا ہے ادھر آپ نے منہ لگا رکھا ہے جو نہ کریں تھوڑا ہے۔

سلیم۔ (انارکلی کا ذکر اور سلیم دلچسپی نہ لے) اوہو تو انارکلی بھی تم سے بے تکلف ہیں زعفران؟ ثریا تو کہتی تھی۔ وہ کسی سے بات ہی نہیں کرتی۔

زعفران۔ تو حضور آدمی دیکھ کر ہی بات ہوتی ہے۔

ستارہ۔ ہاں! ان میں تو بڑے چاند جڑے ہیں۔

زعفران۔ پھر کیا نہیں؟

سلیم۔ (مسند پر بیٹھکر) تو تم سے کیا باتیں کیا کرتی ہیں وہ؟

زعفران۔ اب کوئی باتیں حقیر تو ہیں نہیں بھی طرح کی باتیں ہوتی ہیں

سلیم۔ خوب خوب! (کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا بات کرے اس تذکرہ کو جاری رکھے) غرض کہ بہت محبت ہے تم کو انار کلی سے۔

زعفران۔ اے مجھی کو کیا۔ کون سا ہے بھلا آدمی محل سرا میں جو انھیں نہ چاہتا ہو (بڑی تمکنت سے سر پھیر کر ستارہ پر ایک نظر ڈالتی ہے)۔

سلیم۔ تو ہم نہیں بھلے آدمی زعفران؟ (گویا دیکھو تو زعفران سامنے سے کیا کہتی ہے)

ستارہ۔ (زعفران کی پریشانی کو بھانپ کر) گھبرا کیوں گئیں؟

زعفران اب حضور کے۔ حضور کی تو میں نے تو مخلص را۔ تو یہ تو یہ۔ اے حضور میں تو اس کل موہی کے جلانے کو کہہ رہی تھی۔

ستارہ۔ (فاتحانہ انداز میں مسکرا کر) اب کیوں نہ کہو گی یوں؟

سلیم۔ (لطف لیتے ہوئے) ہم یوں باتوں میں نہیں اڑنے کے۔ اب تو زعفران تمہیں ہمیں بھی بھلے آدمیوں میں شامل کرنا ہی پڑے گا۔

زعفران۔ اے بھول گئی حضور۔ بخش دیجئے۔

ستارہ۔ بھول کیوں۔ اب لاؤ نہ جا کر اپنی انار کلی کو۔

سلیم۔ ہاں ہاں ان کے گانے کی بھی تو بہت تعریف سنی ہے ہم نے۔

زعفران۔ مجھ سے اچھا تھوڑا ہی گاتی ہے۔

سلیم۔ لیکن زعفران۔ ہم بھلے آدمی بھی تو سننا چاہتے ہیں کیوں ستارہ؟

ستارہ۔ اب جان بچانا چاہتی ہے یہ۔

سلیم۔ تم کام رہو گی زعفران۔

زعفران۔ میں پھر جا کر بلا بھی لاؤں گی۔

ستارہ۔ جاؤ نہ پھر انتظار کاہے کا ہے؟

زعفران۔ اچھی بات ہے (تاؤ میں آکر چل پڑتی ہے)

سلیم۔ (متوقع ملاقات کے اندیشوں سے یک لخت سراسیمہ ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے) ٹھہرو، ٹھہرو زعفران

ستارہ۔ جانے بھی دیجئے حضور جو اس کے کہے سے وہ کبھی آجائے۔

زعفران۔ اور اگر وہ آئی تو؟

سلیم۔ (گھبرا کر) نہیں نہیں زعفران نہیں۔

ستارہ۔ تو مضائقہ بھی کیا ہے حضور سبھی تو آتے جاتے ہیں یہاں

سلیم۔ تم کو نہیں معلوم اسمیں۔۔۔ بس نہیں تم جاؤ (ایسے انداز سے دور کھڑا ہو جاتا ہے جسکے صاف یہ معنی ہیں کہ زعفران اور ستارہ رخصت ہو جائیں۔

(دونوں حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھتی ہیں اور سرگوشیاں کرتی ہوئی چلی جاتی ہیں، سلیم تنہا رہ جاتا ہے)۔

اللہ! پھر یہ سہمی ہوئی محبت کب تک راز رہیگی۔ مجبور دل یونہی چپ چاپ دکھا کریگا۔ یا وہ فرخندہ ساعت بھی آئیگی جسکی امید میں زندگی قیامت ہے (آہ بھر کر) کیسے آئیگی۔ وہ کہاں مانیں گے ہائے وہ تو کہدینگے وہ انار کلی ہے۔ حرم سرا کی کنیز تو سلیم ہے۔ مغلیہ ہند کا شہزادہ پھر میں کیسے اپنا سینہ انکے سامنے کھول کر رکھدونگا میرے اللہ میں کیا کروں! (بے چین ہو کر مسند پر گر پڑتا ہے اور تکیے پر سر رکھ دیتا ہے) ذرا دیر خاموشی رہتی ہیں پھر دور دریا کی طرف سے گانے کی ہلکی ہلکی آواز آتی ہے۔ سلیم کچھ دیر اسیطرح پڑا سنتا رہتا ہے

پھر اٹھتا ہے اور سست قدموں سے برنج میں جاتا ہے اور دریا کیطرف جھانکتا ہے۔ آخر مجبور ہو کے ساتھ سر ٹیک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور گیت سننے لگتا ہے آواز مدھم ہوتی ہوئی غائب ہو جاتی ہے)

(راوی کے دلشاد ملاح! تو کیوں نہ گائے۔ بھری نیند میں بہ رہی ہوں اور کشتی اپنے آپ چلی جا رہی ہو پھر بھی نہ گائے؟ تو کیا جانے جب وقت کی ندی بہتے بہتے سست پڑ جاتی ہے اور امید ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو کیا ہوتا ہے۔

(آہ بھر کر) جا شفق زار لہروں پر گاتا ہوا چلا جا اور خوش ہو کہ تو شہزادہ نہیں ورنہ سنگ مرمر کی چھتوں کے نیچے اور بھاری بھاری پردوں کے اندر تیرے گیت بھی دبی ہوئی آہیں ہوتے (سر جھکا کر خاموش ہو جاتا ہے) (سورج ڈوب چکا ہے۔ باہر شام کا دھندلکا ہے ایوان کے اندر تاریکی دم بدم گہری ہوتی جا رہی ہے)

چبوترے کے دائیں دروازے سے دو خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں ایک کے روشن مشعلیں اور دوسرے نے ایک چوکی اٹھا رکھی ہے۔ اندر آ کر وہ تعظیم بجا لاتے ہیں ایک فانوس کے نیچے چوکی رکھ دیتا ہے دوسرا چڑھ کر مشعل سے فانوس روشن کرتا ہے اور چپ چاپ الٹے بائیں دروازے سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

بختیار چبوترے کے بائیں دروازے سے داخل ہوتا ہے سلیم کے ساتھ کا کھیلا ہوا اسقدر بے تکلف دوست ہے کہ اسے داخل ہونے کیلئے اجازت حاصل کرنے کی بھی ضرورت نہیں، خوش طبع نوجوان ہے جسکی آنکھوں میں خلوص چمکتا ہوا نظر آتا ہے)

بختیار (سلیم کو برنج میں مستغرق دیکھ کر) پھر سوچ میں؟

سلیم بختیار آ گئے تم؟ (سیڑھیاں اتر کر ایوان میں آ جاتا ہے)

بختیار۔ آپ کس فکر میں غرق ہیں؟

سلیم۔ میں سوچ رہا ہوں بختیار مطمئن ملاح ایک آرزومند شہزادے کی نسبت کسقدر خوش نصیب ہے۔

بختیار۔ میں ان ملاحوں کا ادھر سے آنا جانا ہی بند کرا دوں گا۔

سلیم۔ کیوں؟

بختیار۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

سلیم۔ احمق پھانس نکالنے کی بجائے انگلی کاٹنا چاہتا ہے؟

بختیار۔ پھانس نکالنا بس ہی جو نہیں۔

سلیم۔ (مسند پر بیٹھتے ہوئے) جب ہی تو کہتا ہوں۔ آرزوئیں پوری کرنے کی قدرت نہ ہو تو حکومت اور ناداری یکساں ہیں۔

بختیار۔ تو پھر سودا کر لیجئے۔ ولی عہد کا بوجھ میں اٹھائے لیتا ہوں۔

سلیم۔ اور اس کے بدلے مجھے کیا دو گے؟

بختیار۔ انارکلی۔

سلیم۔ وہ کیسے؟

(یہ کہہ کر جیب میں سے ایک رومال نکالتا ہے اور اسے مسند پر رکھکر بڑے اہتمام سے کھولتا ہے۔ رومال میں انار کے پھول اور کلیاں ہیں۔ ایک کلی اٹھا کر بہت تکلف سے سلیم کو دیتا ہے)

سلیم۔ تم کیتے خوش فکر ہو بختیار۔

بختیار۔ قبلہ ڈبیا میں بند کر کے رکھنے کے قابل ہوں۔

سلیم۔ (کلی کو دیکھتا رہتا ہے) کتنا حسن۔ کتنی رعنائی ہے اس کلی میں رنگ، بو اور نزاکت ننھی سی نیند میں سو رہے ہیں۔ لیکن بختیار انار کلی سے انکا کیا تعلق۔ وہ تو

نزدوس کا ایک خواب ہے شباب کی آنکھوں کی قوس قزح اور سچ مچ بختیار کبھی کبھی تنہائی میں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے وہ صرف میرا تصور ہے اسے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں جیسے میں نے ایک خیال کو اپنے دل کے سنگھاسن پر بٹھا لیا ہے اور اسے پوج رہا ہوں۔

بختیار۔ عرفی کی صحبت آپ کو شاعر بنا دے گی۔

سلیم۔ (کلی کو دیکھتا دیکھتا کسی خیال میں غرق ہو چکا ہے۔ بختیار کی طرف توجہ نہیں رہی) کیا؟

بختیار (سلیم کو بے توجہ دیکھ کر ذرا بلند آواز سے) مغلوں کو مدبر بادشاہوں کی ضرورت ہے۔ وہ شاعر بادشاہ نہیں چاہتے۔

سلیم۔ (اسی بے خبری کی کیفیت میں) درست ہے۔

بختیار۔ قابل عمل تو کیوں ہو گا؟

سلیم۔ (یک بخت کھڑا ہو کر بختیار کو شانوں سے پکڑ لیتا ہے) اور بختیار اگر میں اپنا تمام محل الٰہی انار کے پھولوں اور کلیوں سے سجا لوں۔ اور پھر کسی روز انار کلی بھول کر ادھر آ جائے۔ آہ وہ دیکھے کہ اسی کے نام کے پھولوں سے میں نے اپنے تمام محل میں اک آگ سی لگا رکھی ہے۔ پھر پھر؟

بختیار۔ اور اگر انار کلی سے پہلے ظل الٰہی ادھر آ جائیں۔ پھر؟

سلیم۔ (سوچتے ہوئے) پھر کیا ہوا؟

بختیار۔ اکبر اعظم کی نگاہ اپنے فرزند کی نسبت بہت زیادہ دور میں اور معاملہ فہم ہے وہ بہت جلد ہر بات کی تہ تک پہنچ جاتی ہیں۔

سلیم۔ (سوچ میں بیٹھ جاتا ہے) وہ اس سے کیا نتیجہ نکالیں؟

بختیار۔ جو نتیجہ آپ نہیں چاہتے کہ وہ نکالیں (سلیم کے سامنے مسند پر بیٹھ جاتا ہے) انار کلی کا خطاب ابھی حرم سرا کی پرانی بات نہیں اور آپ کی یہ تنہا پسندی اور

افسردگی اور پھر ان پھولوں کی رنگت و بو سب سے بڑی جاسوس بن سکتی ہے۔

سلیم۔ سوختہ اختری، نحس تھی وہ ساعت جب تیرہ بختی نے تجھے دودمانِ مغلیہ کا ولیعہد کر دیا۔ اور اس سے زیادہ نحس تھا وہ لمحہ جب انارکلی کی حیران نظروں نے اس دل کو ایک انگارہ بنا دیا۔ (بختیار سلیم کی طرف ہمدردی کی نظروں سے دیکھتا ہے)

دلآرام جھروکے کے دائیں دروازے سے داخل ہوتی ہے۔ بختیار دیکھتا ہے دیکھتا ہے سلیم نے جب وہ قریب ہو کر تعظیم بجا لاتی ہے تو بختیار اسے دیکھ کر انار کے پھولوں کو فوراً مسند کے تکیے کے نیچے چھپا دیتا ہے دلآرام دیکھ لیتی ہے مگر تعظیم بجا لا کر خاموش کھڑی ہو جاتی ہے۔

سلیم۔ کیا ہے دلآرام؟

دلآرام۔ ظلِ الٰہی حرم سرا سے باہر تشریف لا رہے ہیں۔ انہوں نے اطلاع بھیجی ہے کہ وہ آپکی طرف ہو کر آئینگے۔

سلیم۔ ادھر آئیں گے؟ وہ خود؟

دلآرام۔ حضور۔

سلیم۔ (بختیار کی طرف متفکر نظروں سے دیکھ کر) کیوں؟ (دلآرام سے) تمہیں معلوم ہے کیوں؟

دلآرام۔ جی نہیں؟

سلیم۔ کوئی خاص بات تو نہیں سنی تم نے؟

دلآرام۔ جی نہیں۔

سلیم۔ (کچھ تامل کے بعد) میں استقبال کو حاضر ہوتا ہوں (سلیم سوچ میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ دلآرام چلنا ہی چاہتی ہے)

بختیار۔ (جو اب تک دلآرام کو دلچسپی کی اچٹتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا ہے) کیا نام ہے تمہارا؟

دلآرام نہ باں (مسکرا کر) کچھ نہیں دلآرام! خوب نام ہے۔ تم جاؤ۔

(دلآرام خاموش چلی جاتی ہے۔ بختیار گردن بڑھا کر ادھر دیکھ رہا ہے جدھر دلآرام ہو گئی ہے کہ شاید پردوں میں سے دلآرام ایکمرتبہ ایوان میں جھانکے یک

لحن ایک بار عجب انداز سے نوبت پی شہنائیاں بجنی شروع ہو جاتی ہیں)

سلیم وہ حرم سے برآمد ہو گئے۔ تم ٹھہرو بختیار۔ میں استقبال کو جاتا ہوں۔ (سلیم جاتا ہے بختیار مسند کے تکیئے درست کرتا ہے، ایک تکیئے کے نیچے سے انار کے دو پھول نکلتے ہیں۔ جو اس نے دلآرام کو دیکھکر چھپا دیئے تھے انھیں اٹھا لیتا ہے اور ادھر ادھر دیکھتا ہے کہاں رکھے مگر قدموں کی آہٹ سنکر پھر تکیئے کے نیچے چھپا دیتا ہے۔

سلیم۔ اکبر۔ حکیم ہمام اور چند خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں خواجہ سرا دروازے کے قریب رک جاتے ہیں سلیم۔ اکبر اور حکیم ہمام آگے بڑھ آتے ہیں بختیار مجرا بجا لاتا ہے (اکبر گٹھے ہوئے جسم کا خوش شکل اور میانہ قد شخص ہے۔ پیشانی اور رخساروں کی شکنیں گو دیکھنے والے کے دل میں خوش اخلاق اور علم کا اعتماد پیدا کرتی ہیں لیکن غالباً دنیائے خیال میں رہنے کے باعث خوابناک آنکھوں میں کچھ ایسی قوت ہے جو قطع نظر اس امر سے کہ وہ شہنشاہ ہند ہے۔ ہر شخص کو محتاط رہنے اور نظریں جھکا لینے پر مجبور کر دیتی ہے۔ گردن کی باوقار حرکت سے ظاہر ہے کہ عالی ہمت شخص ہے مضبوط دہانہ کہہ رہا ہے کہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں رکاوٹوں کو خاطر میں نہیں لا سکتا۔ حرکات میں مستعدی ہے رفتار میں ایک ایسا انداز گویا زمین کی تحقیر کر رہا ہے اسوقت وہ سلیم سے ناخوش نظر آتا ہے۔ لیکن سلیم سے اسکی غیر معمولی الفت اسقدر مسلم ہے کہ فرمان حرم بخوبی جانتے ہیں یہ کبیدگی پدرانہ فہمائش کو موثر بنانے کیلئے سوچ سمجھکر اختیار کی گئی ہے اور اس غیظ و غضب سے اسکا دور کا بھی تعلق نہیں جو کبھی کبھار اکبر کو بے پناہ بنا دیا کرتا ہے)۔۔

اکبر: حکیم صاحب کہتے ہیں۔ تم علیل ہو شیخو؟

سلیم۔ (گو مگو کے عالم میں) نہیں تو جہاں پناہ۔

اکبر (حکیم صاحب پر ڈالکر) کیوں حکیم صاحب؟

حکیم۔ ظل الٰہی، غلام بارگاہ کوئی خاص مرض تو تشخیص نہیں کر سکا۔ البتہ سُست و مضمحل دیکھ کر ......

اکبر۔ اسے یقین دلانا چاہتے ہیں، کہ وہ بیمار ہے۔

حکیم۔ ظل الٰہی۔ غلام کی ذمہ داری ......

اکبر۔ تم علیل نہیں۔ تو پھر یہ کیا ہے شیخو! کہ ہر ایک تمہاری بے توجہی کا شاکی ہے نہ تمہیں اپنی تعلیم کا خیال ہے نہ ضروری مشاغل کا۔ سواری کو تم نہیں نکلتے شکار کو تم نہیں جاتے تم دستر خوان تک پر نظر نہیں آتے۔ آخر کیوں؟ تم اپنے باپ کے سامنے حاضر ہونے میں اپنی توہین سمجھتے ہو یا یہ چاہتے ہو کہ اگر تم اس کے پاس نہ جاؤ۔ تو وہ کب تک بے صبر نہیں ہوتا۔ تم نے دیکھ لیا؟ تم خوش ہو اب؟

سلیم۔ میں شرمندہ ہوں۔

اکبر۔ نہیں شاید تم یہ بھی دیکھنا چاہتے ہو کہ ممتا کب تمہاری ماں کو حرم کی چار دیواری سے باہر کھینچ کر لاتی ہے۔ کیوں شیخو۔ ماں کے بلانے پر ہر مرتبہ عذر کر بھیجنا۔ پھر اور کیا معنی رکھتا ہے۔؟

سلیم۔ میں ابھی ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

اکبر۔ تم کو اگر ماں باپ کی پرواہ نہیں تو وہ بھی تم سے بے پرواہ ہو سکتے ہیں۔

سلیم۔ میں معافی چاہتا ہوں۔

اکبر۔ میں جانتا ہوں۔ یہ معافی اکبر بادشاہ سے ہے اکبر باپ سے نہیں۔ بادشاہ تمہیں معاف کرتا ہے۔ باپ اظہار افسوس سے کچھ زیادہ چاہتا ہے۔

(سلیم کے آنسو نکل آتے ہیں)

آنسو! بادشاہ بھی تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔ معاف نہیں کر سکتا۔ سلیم! وہ مغل شہزادوں کو سیاست کی الجھنوں میں مجنون دیکھ سکتا ہے وہ انہیں ہوس ملک گیری

میں گرفتار دیکھ سکتا ہے۔ وہ جانتا ہے۔ ان کے زخموں سے کیا گرے، وہ جانتا ہے انکی سر بریدہ نعشوں کو کیا کرے مگر آنسو! آنسو! ...... جا اپنی ماں کے پاس جا۔ ان آنسوؤں کو تو اسکے ہاتھ بیچ سکتا ہے ...... جاؤ سلیم! (سلیم سر جھکائے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا حرم کی طرف جاتا ہے اکبر کھڑا دیکھتا ہے)

بیوقوف لڑکا ..... چلئے حکیم صاحب (چلتے چلتے ٹھہر کر) بختیار تم شیخو کے آنے تک یہیں ٹھہرو، تنہائی میں پھر وہ آنسو بہائیگا ...... احمق ...... چلئے حکیم صاحب (چلتے چلتے پھر ٹھہر کر) یا تم بھی ہمارے ساتھ آؤ۔ بختیار ہم ایک اور طرح اسکی اشک شوئی کرنا چاہتے ہیں۔

(سب بائیں دروازے سے بیرونی حصے کو چلے جاتے ہیں)

اب ایوان خالی ہوچکا ہے تو حرم کے دروازے کے پردے ہلتے ہیں اور دلآرام سر نکالکر جھانکتی ہے۔ جب اطمینان ہوجاتا ہے کہ کوئی موجود نہیں تو دبے پاؤں ادھر ادھر دیکھتی ہوئی اندر آجاتی ہے۔ ہر طرف دیکھ اطمینان کرتی ہے کہ کوئی واپس نہ آرہا ہو۔ پھر مسند کیطرف بڑھتی ہے اور تکئے اٹھا اٹھاکر دیکھتی ہے۔ ایک تکئے کے نیچے سے انار کے پھولوں کا رومال مل جاتا ہے دلآرام ادہر ادہر دیکھ کر رومال کھول لیتی ہے۔

دلآرام ۔ پھول! ...... پھر چھپائے کیوں! انار کے پھول! ...... کیا تھا؟ (پھول ہاتھ میں لئے وہ سوچ میں پڑجاتی ہے۔ قدموں کی آہٹ سنکر یک لخت چونکتی ہوکر بیرونی دروازے کیطرف دیکھتی ہے گھبراکر واپس آتی ہے اور پھول تکئے کے نیچے رکھکر حرم کے دروازے کیطرف بھاگتی ہے۔ ادہر سے بھی گھبراکر واپس آتی ہے۔ پریشانی کے عالم میں کھڑی ہوجاتی ہے اور چھپنے کے لئے جگہ دیکھتی ہے۔ آخر دوڑکر دائیں ہاتھ کے دروازے کے پیچھے چھپ جاتی ہے)

بختیار داخل ہوتا ہے۔ اسکے ہاتھ میں ایک جڑاؤ انگشتری ہے۔

بختیار ۔ بادل گرج چکتا ہے تو میٹھا پانی برستا ہے۔ کہتا بڑا ہیرا۔ گستاخ رحمدہ تراش۔

(سلیم سوچ میں آہستہ قدم اٹھاتا ہوا داخل ہوتا ہے)

بختیار۔ کیا سوچ رہے ہو تم؟ یقیناً ظلِ الہٰی کی نمائش سے تم آزردہ نہیں ہوئے؟ آزردہ نہیں نا؟ وہ تمہارے باپ ہیں اور وہ باپ جو تمہارے لئے متحدہ ہندوستان کی سلطنت تیار کر رہے ہیں اور اگر اسکے لئے وہ تمہیں بھی ایک خاص رنگ میں دیکھنے کی توقع رکھیں، تو قابلِ الزام نہیں نہیں نا سلیم؟ اور کیا قصور تمہارا نہ تھا؟ پھر بھی انکی الفت دیکھو۔ انہوں نے تمہارے لئے یہ تحفہ بھیجا ہے۔ دربار میں جو فرنگی جوہری آئے تھے انہوں نے اپنے ملک کے ڈھنگ پر اس انگشتری کا نگینہ تراشا ہے۔ دیکھو تو کتنا بڑا کسقدر خوبصورت لاؤ میں تمہیں پہنا دوں (ہاتھ پکڑ کر انگشتری پہنا دیتا ہے) تم تو ویسے ہی خاموش ہو!

سلیم۔ میں اور کچھ سوچ رہا ہوں بختیار۔

بختیار۔ کیا؟

سلیم۔ میں واپس آرہا تھا تو مجھے راستہ میں ثریا ملی۔

بختیار۔ پھر؟

سلیم۔ اس نے کہا۔ انارکلی آج کل چاندنی راتوں میں باغ میں جاتی ہے۔

بختیار۔ تو؟

سلیم۔ میں آج باغ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں (مسند پر بیٹھ جاتا ہے)

بختیار۔ محبت نے تمکو بالکل دیوانہ بنا دیا ہے سلیم! باپ کی اتنی خنگی اور اتنی ذرا سی دیر میں پھر اتنی بڑی جرات۔

سلیم۔ ہاں! لیکن چاندنی راتیں پھر نہ رہیں گی۔

بختیار۔ (سلیم کے سامنے مسند پر بیٹھ کر) تم کیوں انارکلی سے ملنا چاہتے ہو سلیم؟ اگر تمہیں معلوم ہوگیا کہ وہ بھی تمہیں چاہتی ہے تو تمہارے لئے وقت کاٹنا قیامت نہ ہو جائیگا۔؟

سلیم۔ اور اب یہ معلوم ہو کر کہ تنہائی میں اس سے مل لینے کا موقع بھی ہے۔ میں اگر نہ ملا تو

جینا عذاب ہو جائیگا؟ (دونوں اپنے اپنے فکر میں سر جھکا لیتے ہیں (دلآرام پردہ میں سے جھانکتی ہے اور دونوں کو غافل دیکھکر بے پاؤں باہر نکلجاتی ہے جب وہ گزر چکتی ہے تو)

بختیار۔ (چونک کر) کون؟

سلیم۔ (اِدہر اُدہر دیکھ کر) کوئی نہیں۔

بختیار۔ (جس دروازے سے دلآرام باہر نکلی ہے اسکی طرف اشارہ کرکے) دیکھو پردہ ہل رہا ہے!

سلیم۔ ہوا سے۔

بختیار۔ نہیں کوئی باہر گیا ہے۔

(دونوں بھاگ کر دروازے کیطرف جاتے ہیں اور دائیں بائیں دیکھتے ہیں۔ کوئی نظر نہیں آتا)

"پردہ"

منظر سوم

(حرم سرا میں ایک غلام گردش ہیں جس کے سامنے صحن کا کچھ حصہ نظر آرہا ہے)

نماز مغرب ادا ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت ہو چکا ہے۔ بیگمیں اور شہزادیاں نشاط و طرب کی محفلوں میں شامل ہونے کیلئے سنگھار کرکے اپنے اپنے حجروں سے رخصت ہو چکیں۔ کنیزیں اور خواجہ سرا اپنے مقررہ فرائض انجام دیکر انکی خدمت میں پہنچ چکے۔ اب کوئی آواز ہے نہ حرکت تھوڑی دیر پہلے بیگموں کی صداؤں اور کنیزوں اور خواجہ سراؤں کے شور وغل سے جو ہنگامہ برپا تھا۔ اس کا تخیال آجاتے سے یہ مقام اب ویران اور اداس معلوم ہوتا ہے!

چاند ابھی نہیں نکلا۔ صحن اور غلام گردش میں تاریکی ہے۔ بیگموں کے حجروں میں البتہ شمعیں روشن ہیں اور انکی روشنی پردوں میں سے نکل کر صحن میں اور غلام گردش کے ستونوں پر اُجالے کے دھبے ڈال رہی ہے دور سے گانے بجانے کی ہلکی ہلکی آواز آکر منظر کو افسردہ تر بنا رہی ہے۔

دلآرام اکیلی ایک ستون کا سہارا لئے کسی گہری سوچ میں چپ چاپ کھڑی ہے۔ ایک

حجرہ کی چھت میں سے روشنی چھن چھن کر پتلی پتلی بے شمار لکیروں میں اس پر پڑ رہی ہے تھوڑی تھوڑی دیر بعد گہری آہ بھرتی ہے اور پھر خیال میں غرق ہو جاتی ہے.

عنبر اور مروارید ایک طرف سے باتیں کرتی ہوئی داخل ہوتی ہیں.

مروارید. تجھے میری جان کی قسم.

عنبر. اب آنکھوں دیکھتی تو کہہ نہیں رہی کانوں سنی کہہ رہی ہوں.

مروارید. کہ صاحب عالم کھڑے ثریا سے باتیں کرتے رہے.؟

عنبر. راحت کہتی ہے. اللہ جانے سچ ہے یا جھوٹ.

مروارید. بڑی بہن انار کلی بنی. دیکھئے چھوٹی (دلآرام کو دیکھکر رک جاتی ہے) یہ کون؟

عنبر. (غور سے دیکھکر) دلآرام نہیں؟

مروارید. وہی تو ہے (قریب جاکر) چپ چپ کیسی کھڑی ہو دلآرام؟

دلآرام. (چونک کر) نہیں تو.

عنبر. چپ چپ کیسے نہ ہوں. چوٹی پر سے ایک دم گڑھے میں جا پڑیں. یہ کیا تھوڑی وجہ ہے.

مروارید. مگر اب کڑھنے سے کیا ہوتا ہے. جیسے وہ بات رہی. ویسے ہی اللہ چاہے تو یہ بھی نہ رہیگی.

عنبر. جس پر گذرے وہی جانتا ہے کچھ.

مروارید. (دلآرام کو اسی طرح فکرمند دیکھکر) اے بہن میں کہتی ہوں. چپ شاہ کا روزہ رکھا ہے کیا؟ خدا کیلئے بولو تو دلآرام؟

دلآرام. (خیال سے چونک کر) مجھ سے کہا؟

مروارید. (عنبر سے) اسے خبر بھی نہیں (دلآرام سے) یہ حالت کیا ہے. اچھا خاصا سوگ منا بیٹھیں تم تو.

عنبر. معلوم ہوتا ہے کسی نے کوئی چبھتی ہوئی بات کہہ دی ہے.

مروارید. اور تم نے ثریا کا —"

دلآرام. (یک لخت) میں کہتی ہوں عنبر —"

عنبر. کیا؟

دلآرام ۔ نہیں کچھ نہیں ۔

مروارید ۔ اے واہ کہتے کہتے ٹل گئیں ۔

عنبر ۔ تمہیں ہماری قسم ۔ کیا کہنے لگی تھیں بہن ؟

دلآرام ۔ (چلنے کو تیار ہوتے ہوئے) کچھ نہیں ۔

عنبر ۔ (لجاجت سے) اچھی بتادو ؟

دلآرام ۔ دیوانی ہوئی ہے ۔

مروارید ۔ یہ چھپا چھپا کر باتیں کرنا ہمیں اچھا نہیں معلوم ہوتا ۔ ساتھ کی اٹھنے بیٹھنے والیوں سے کیسا پردہ !

دلآرام (کچھ تامل کے بعد پھر ستون کا سہارا لیتی ہے) میں یہ پوچھتی تھی ۔ انارکلی بہت خوبصورت ہے ؟

عنبر ۔ بدصورت تو نہیں ۔ پر خدا نہ کرے جو کہیں صبح کو صورت دکھائی دے جائے کھانا تک نصیب نہ ہو ۔ دن بھر ۔

مروارید ۔ سچ سچ عنبر ایسا معلوم ہوتا ہے ، جیسے اب روئی کہ روئی ۔

دلآرام ۔ (تامل سے) مجھ سے خوبصورت ہے ؟

عنبر ۔ کیوں کیا پوچھتی ہو ؟

دلآرام ۔ (کچھ توقف کے بعد) کیوں پوچھتی ہوں ؟ — کیا معلوم کیوں پوچھتی ہوں

مروارید ۔ شکل و صورت میں تو تمہارے پاسنگ بھی نہیں ۔ یہ اور بات ہے ۔ اس کی قسمت کا ستارہ خوب چمک رہا ہے ۔

دلآرام ۔ (محویت میں کہیں دور دیکھنے لگتی ہے) قسمت کا ستارہ ! یہ قسمت کے ستارے ٹوٹا نہیں کرتے مروارید ۔

مروارید ۔ خوب ٹوٹتے ہیں لیکن جب ٹکر کھاتے ہیں ۔

دلآرام (اسی محویت میں) تو مروارید آج رات دو تارے ٹکرائیں گے (توقف کے بعد) کیا خبر کون سا ٹوٹے؟

عنبر۔ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو تم آج۔ کیا بات ہے؟

دلآرام۔ (پُر معنی تبسم سے) کیا بات ہے؟ کہہ دوں تو یہ سارا محل قیامت کا نمونہ بن جائے ——— پر ابھی تو دیکھنا ہے کہ ستارہ کون سا ٹوٹتا ہے۔

مروارید۔ (گھبرا کر) ہائے اللہ کیا ہے۔ مجھ کو تو پوچھے بغیر چین نہ پڑے گا۔

دلآرام۔ بہت بڑی بات ہے اتنی بڑی کہ میرے دل میں نہیں سما سکتی۔ تم جاؤ مجھے ڈر ہے کہیں میں کہہ نہ بیٹھوں۔

عنبر۔ اے ہے بہن کیسی پہیلیوں میں باتیں کر رہی ہو۔ صاف صاف کہو نہ مجھے تو مارے ہول کے نیند نہ آئے گی رات بھر۔

دلآرام۔ تمہارے دل مجھ سے بھی چھوٹے ہیں۔ جو بات میرے دل کیلئے بڑی ہے انمیں کیسے سمائیگی۔

(قدموں کی آہٹ سنکر دلآرام کان لگا دیتی ہے۔ اور پھر جلدی سے مڑ کر دیکھتی ہے ایک حجرے سے جو روشنی نکل رہی ہے۔ اس میں نظر آتا ہے کہ انارکلی آ رہی ہے)۔

——— اے دیکھو۔ وہ انارکلی آ رہی۔ جاؤ چلی جاؤ۔ پھر بتاؤں گی اسوقت کچھ نہیں۔

(عنبر اور مروارید گھبراتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ دلآرام ایک ستون کے پیچھے چھپ کر کھڑی ہو جاتی ہے انارکلی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی آتی ہے اور ایک ستون کے ساتھ ماتھا ٹیک کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ پھر رخسار ٹھنڈے ستون کیساتھ لگا دیتی ہے اور ایک آہ بھرتی ہے۔

(ثریا داخل ہوتی ہے)

ثریا۔ تم کہاں چپکے سے نکل آتی ہو آپا۔ میں تو تمہیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ہار گئی۔

انارکلی۔ کیوں ڈھونڈھ رہی تھیں؟

ثریا۔ ایسے ہی ——— آپا مجھے بیٹھے بیٹھے خیال آتا ہے تم کہیں رو نہ رہی ہو بس میں گھبرا کر

اٹھتی ہوں اور تمہیں ڈھونڈنے لگتی ہوں۔

انارکلی۔ (کچھ دیر ثریا کو تکتی رہتی ہے۔ پھر محبت سے اس کا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں
تھام لیتی ہے) تمہیں مجھ سے بہت محبت ہے ثریا؟

ثریا۔ محبت۔ میری آپا میں تمہارے لئے مرجانا چاہتی ہوں۔

انارکلی۔ (ثریا کو لپٹا کر) میری ننھی!

ثریا۔ (لپٹے لپٹے سر پیچھے ڈال کر) تم سوچ کیا رہی تھیں آپا؟

انارکلی۔ کیا سوچ رہی تھی؟ (توقف کے بعد) میں سوچ رہی تھی۔ میں نے لیلےٰ کے گلے
میں گھنگرو باندھ رکھے ہیں۔ وہ جب باغ میں چلتی ہے۔ تو باقی سب ہرنیاں
چونک کر اسے تکنے لگتی ہیں۔ لیلیٰ خوش ہوتی ہو گی۔

ثریا۔ (الگ ہو کر غور کرتے ہوئے) یہ کیا بات ہوئی؟

انارکلی۔ گھنگروؤں کی آواز سے وہ خود ٹھٹک کر رہ جاتی ہے۔ اسکی آنکھوں میں اب وہ بات
نہیں رہی کہ لیٹی ہے اور دور کے چشمے اور کہسار نظروں میں ہیں فوراً ملی اور
سہم گئی۔ میں نے سہانی یاد بھی اس سے چھین لی۔

ثریا۔ (شبہ سے) تم لیلےٰ کے لئے اداس ہو رہی ہو۔

انارکلی۔ یونہی۔ بیٹھے بیٹھے اس کا خیال آگیا تھا۔

ثریا۔ لیلےٰ کا خیال تو اس وقت آیا اور باقی وقت کیا سوچتی رہیں۔ تم تو ہر وقت
ہی گم سم رہتی ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے آجکل؟

انارکلی۔ سچ مچ ثریا مجھے کیا ہو گیا ہے! (غافل کے بول) پہلے میں کتنی بشاش رہتی تھی
پھولوں میں سے آتی تھی اور میرے دائیں بائیں پھول ہی پھول تھے۔ ناچتی گاتی اور
ہنستی کھلکھلاتی چلی جا رہی تھی۔ مجھ میں ہوا کی بےفکری اور گیت کی رونق تھی
دنیا اپنی خوشیوں کا ایک ایک قطرہ میرے لئے نچوڑ دیتی تھی۔

ثریا۔ پھر اب تمہیں کیا ہوگیا؟

انارکلی۔ نہ جانے کیا ہوگیا (کچھ دیر بعد) میں چاہتی ہوں الگ تھلگ اور چپ چاپ بیٹھی رہوں لیکن ثریا جب میں یوں بیٹھتی ہوں تو سوچنے لگتی ہوں چاہتی ہوں کچھ نہ سوچوں۔ آنکھیں میچتی ہوں۔ دانت بھینچتی ہوں۔ مٹھیاں بند کرلیتی ہوں پھر بھی سوچ میرا پیچھا نہیں چھوڑتی آہ کیطرح دل سے اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔

ثریا۔ کیسی سوچ۔

انارکلی۔ (غور کرکے) میں اس کا کوئی نام نہیں رکھ سکتی، (دو ٹکڑے ہیں۔ چاہتے ہیں جڑ کر ایک بن جائیں۔ میں انہیں نہیں جڑنے دیتی۔ بکھیر بکھیر دیتی ہوں۔ لیکن ان میں میرے ارادے سے بہت زیادہ طاقت ہے۔ وہ بار بار حملہ کرکے آتے ہیں اور آخر مجھے مغلوب کرلیتے ہیں میں نہیں نہیں کہتی ہوئی بیہوش سی ہوجاتی ہے اس وقت مجھے اس کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا ہے اور میرے جسم سے چنگاریاں نکل رہی ہیں۔

ثریا۔ میں نے کئی بار دیکھا ہے کہ جیسے تم اپنے آپ کو بھولی ہوئی بیٹھی ہو۔

انارکلی۔ اور پھر جب کوئی مجھے بلاتا ہے۔ تو میں چونک کر کانپ اٹھتی ہوں کہ میری بےخبری میں اس نے میری سوچ کو میرے چہرے پر برہنہ نہ دیکھ لیا ہو۔

ثریا۔ یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو آپا؟

انارکلی۔ عجیب باتیں ہیں نا ثریا۔ اسی لئے تو میں کسی سے بات نہیں کرتی۔ چور چور جسم اور زخمی دماغ لئے اپنی سوچ سے آپ ہی الجھتی پھرتی ہوں۔

ثریا۔ میری آپا

انارکلی۔ میں کیا چاہتی ہوں (سوچ کر محویت کے عالم میں) میں اس محل میں گھٹی جارہی ہوں ثریا! کاش میں آزاد ہوتی ایک کشتی میں بیٹھ کر اسے راوی کی چپ چاپ

لہروں پر چھوڑ دیتی۔ اور چاندنی رات میں خوشبوؤں اور بانسریوں کی آوازوں کے درمیان میری کشتی بہتی چلی جاتی اور افق سے جا ٹکراتی۔

ثریا۔ (حیرانی سے انارکلی کو تکتے ہوئے) ہٹی ہے!

انارکلی۔ (اسی محویت میں) پھر میں ایک تخت پر سوار ہوتی اور دو گھوڑے شعلوں کی زبان کی طرح بے تاب اسے کھینچ رہے ہوتے۔ یوں! جیسے میں ہوا پر بجلی کی طرح جا رہی ہوں اور دو مضبوط بازوؤں نے مجھے جکڑ رکھا ہوتا۔

ثریا۔ (جیسے اسی قسم کے کسی اشارے کی منتظر تھی) کس کے بازو۔ اچھی کس کے بازو؟

انارکلی۔ (یک لخت کسی قدر بگڑ کر) چپ ہو جاؤ ثریا۔ میں نہ بولوں گی اب۔

ثریا۔ (شوخی سے) میں سمجھ گئی آپا۔ اتنی ننھی تو نہیں۔

انارکلی۔ (تنگ آکر) میں کیا جانوں۔ (یک لخت رخصت ہو جاتی ہے)

ثریا۔ کیا باغ میں جا رہی ہو آپا؟ جاؤ جاؤ میں جانتی ہوں کس کے بازو۔ میں خوب جانتی ہوں۔ وہی بازو تو وہاں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

(ہنستی جاتی ہے۔ دلآرام ستون کے پیچھے سے نکلتی ہے۔)

دلآرام۔ وہی بازو انتظار کر رہے ہیں اور کیا بجلیاں بیتاب نہیں ہو رہی ہیں؟ انارکلی تو میری رقیب نہیں۔ میں تیری حریف نہیں۔ یہ تو ستاروں کے کھیل ہیں کون ان کی پر اسرار چال کو سمجھ سکتا ہے اور کون جانے جب وہ ٹکرائیں گے تو پھر کیا ہوگا۔ (انارکلی کے پیچھے پیچھے جاتی ہے)

"پردہ"

منظر چہارم

(حرم سرا کے پائیں باغ کا ایک الگ تھلگ حصہ)

رات ابھی زیادہ نہیں گذری، دس بارہ دن کا چاند باغ کی رعنائیوں میں

کیف و مستی کی دل آویزیاں پیدا کر رہا ہے۔

باغ کے اس حصے میں سنگ مرمر کا ایک نسبتاً چھوٹا سا اور دو تین سیڑھیاں اونچا حوض ہے جسکے ننھے ننھے فوارونکی آب افشانی حوض میں چاند کو گدگدا کر بیقرار کر رہی ہے حوض کے چاروں کناروں سے چار منقش روشیں جنکے دونوں طرف پھولدار جھاڑیاں ہیں، باغ کی چاردیواری تک چار چھوٹی چھوٹی اور سنگ سہ دریوں کو جاتی ہیں یوں باغ کا یہ حصہ چار سرسبز قطعوں میں تقسیم ہوگیا ہے جن میں خوش قطع کیاریاں اور پھلو کے گھنے درخت ہیں۔ پھیکے آسمان کے مقابل یہ گھنے درخت سیاہی کے بڑے بڑے بے وضع مگر دلکش دھبے معلوم ہوتے ہیں سامنے سہ دری اور اسکے آس پاس کے لمبے لمبے اور پتلے سرو فاصلے پر ایک سیاہ تصویر نظر آرہے ہیں۔ باغ کے سکوت میں جھینگروں کی آواز کے سوا اور کچھ مخل نہیں۔

انارکلی! (حوض کے کنارے اکیلی گھٹنوں پر سر رکھے ہلکی ہلکی سسکیاں بھر رہی ہے۔ اس کا ستار اسکے ہاتھوں سے چھوٹ کر سیڑھی پر گر پڑا ہے) (تھوڑی دیر بعد سر اٹھاتی ہے اور رخسار گھٹنوں پر رکھ لیتی ہے) سلیم! تمہیں کیا مل گیا! میری نیندوں کو لوٹ کر میری راحت کو غارت کر کے، تمہیں کیا مل گیا سلیم! پھر تم نے کیوں محبت کے پیغام بھیجے۔ کیوں سلگتی ہوئی چنگاری کو دہکا دیا! یہ ہنسی تھی؟ یہ سب ہنسی ہی تھی۔ مگر عالی مرتبت شہزادے۔ کمزور بے بس کنیز سے ہنسی! اس قیامت کی ہنسی! اس دن تمہارا کیا بگاڑا تھا۔

(پھر گھٹنوں پر سر رکھ کر سسکیاں بھرنے لگتی ہے)

(سلیم جھاڑیوں کے اوپر سے جھانکتا ہے اور پھر پچھلی روش پر آجاتا ہے کچھ دیر پیچھے ہی کھڑا رہتا ہے گویا متامل ہے کہ آگے آئے یا نہ آئے آخر آہستہ آہستہ چلتا ہوا آگے آتا ہے اور حوض کے کونے کے قریب خاموش کھڑا ہو جاتا ہے۔

سلیم۔ (کچھ دیر بعد آہستہ سے) انارکلی

انارکلی (چونک کر سہم جاتی ہے)

سلیم۔ (سامنے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے)

(انارکلی سلیم کو دیکھ کر خوف اور پریشانی کے عالم میں کھڑی ہو جاتی ہے اس کی یہ کیفیت ہے گویا اسے سکتہ ہو گیا ہے)

سلیم (قریب آ کر) تم کھڑی ہو گئیں انارکلی! یہاں بھی شہنشاہ کا آہنی قانون! ہم تو تاروں بھرے آسمان کے نیچے کھڑے ہیں۔ یہاں کا قانون دوسرا ہے بہت مختلف! آؤ میں تم کو سکھاؤں۔ (انارکلی کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا دیتا ہے انارکلی یوں بیٹھ جاتی ہے جیسے کل کی گڑیا ہے کہ پیچ دبا دینے سے بیٹھنے کے سوا چارہ نہیں۔ سلیم خود کھڑا رہتا ہے) کاش شہنشاہ کا بھی یہی قانون ہوتا۔

(انارکلی اس طرح بیٹھی ہے گویا اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے اور اس کے پاس کون ہے۔ سلیم منتظر ہے کہ شاید وہ کچھ بولے۔ آخر خود گفتگو شروع کرنے کی کوشش کرتا ہے)۔

ابھی ابھی تم کچھ بول رہی تھیں۔ پھر اب تم چپ کیوں ہو انارکلی؟

(انارکلی کے چہرے پر یا آنکھوں میں ایسی کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی جس سے ظاہر ہو کہ اس نے کچھ سنا یا سمجھا ہے۔ سلیم نہیں جانتا کہ کیا کہے)

میرا آنا تمہیں ناگوار ہوا؟

(انارکلی اب بھی کھوئی بیٹھی ہے اور جمی ہوئی نظروں سے سامنے کہیں دور تک رہی ہے)۔

ہاں میں مخل ہوا۔ میں تمہاری تنہا خوشیوں میں مخل ہوا۔ مگر پھر میں کیا کرتا انارکلی؟

(توقف کے بعد)

کاش تمہیں معلوم ہوتا۔ پوری طرح معلوم ہوتا۔

(انارکلی پر وہی نیم بیہوشی کی سی کیفیت رہتی ہے۔ سلیم کی جھجک دور ہوتی جا رہی ہے)

تم نہیں جانتیں تم نے کیا کر دیا۔ میں خود بھی نہیں جانتا۔ سب نہیں جانتا انارکلی (دقفہ کے بعد) تم نے میری تمام آسائشوں تمام راحتوں کو اپنی ہستی میں سمیٹ لیا۔ تم نے میری کائنات کا رس چوس لیا۔ اے نازنین! تم ایک معجزے کی طرح میرے سامنے آئیں اور میری آرزوؤں کی نیند ٹوٹ گئی۔ تم نے اپنی حیران نظروں سے مجھ کو دیکھا۔ اور میری روح میں لامتناہی محبت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ تم چلی گئیں اور میری تمام دنیا تمہاری آرزو میں دھڑکتی رہ گئی۔

(سلیم محبت کے جوش میں انارکلی کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ انارکلی چونک کر سر جھکا لیتی ہے اور خاموش رہتی ہے)

تم چپ ہو انارکلی (آہ بھرتا ہے) میں جانتا ہوں۔ مجھ کو نہ آنا چاہیئے تھا بے بس پروانہ کا کیا قصور — اور یہ کتنی بڑی نمخیب تھی پھر ایک بارگم شدہ فردوس کی جھلک — اور میں انسان ہوں کمزور دنیا سے تھک گیا تھا۔ میں اپنے آپ سے تھک گیا تھا۔

(انارکلی کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ سن رہی ہے اس سے اسے تکلیف پہنچ رہی ہے لیکن اس کی زبان اب بھی بند ہے۔ سلیم مایوس ہو کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیتا ہے۔)

تم اب بھی چپ ہو۔ پھر میں جاتا ہوں۔ تم نے ایک جانباز کے بیٹے کو اس کی زندگی کی قیمت بتا دی۔ انارکلی ایک جانباز کے بیٹے کو۔ میں جاتا ہوں (سر جھکائے مایوسی کی تصویر بنا رخصت ہونے کے لئے مڑ جاتا ہے)

انارکلی سر اٹھا کر ایک محویت کے عالم میں اسے دیکھتی رہتی ہے ذرا دیر بعد الفاظ

خود بخود اس کی زبان پر آجاتے ہیں)

انارکلی۔ شہزادے! کنیز مذاق کا کیا جواب دے سکتی ہے اس کا کام تو برداشت کرنا ہے خواہ مذاق اس کے دل کے ٹکڑے کر ڈالے۔

سلیم۔ (لپک کر اس کے قریب آجاتا ہے) مذاق! خدایا آہیں اتنی بے اثر! آنسو اتنے بے ثمر! انارکلی یوں بھی سمجھا جا سکتا تھا۔ تم نے یوں کیوں سمجھا؟

انارکلی۔ (ہچکی سے گوشۂ چشم کا آنسو پونچھتی ہے) پھر میں کیا سمجھتی۔ ہندوستان کا نیا چاند ایک چکور کو چاہتا ہے۔ کیسی ہنسی کی بات! آہ تم شہزادے ہو بڑے بہت بڑے۔ میں ایک کنیز ہوں ناچیز بیحد ناچیز۔ شہزادہ کنیز کو چاہیگا۔ کیسی ہنسی کی بات!

سلیم۔ (ایک لمحہ متامل رہ کر) اب بھی تیرے دل میں شبہ موجود ہے، تو اے انارکلی! اے اس دل کی ملکہ نے ہندوستان کو اپنے قدموں میں دیکھ!

سلیم گھٹنوں کے بل ہو کر انارکلی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیتا ہے اور فرط محبت سے اسے چوم لیتا ہے)۔

انارکلی۔ آہ! آہ! (بیتاب ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے)۔

سلیم۔ (اٹھتے ہوئے) انارکلی! میری اپنی انارکلی! تو میری ہے صرف میری ہے (ہاتھ پکڑ کر اسے سیڑھی سے اتارتا ہے اور آغوش میں لے لیتا ہے)

انارکلی۔ صاحب عالم! صاحب عالم! (جذبات کی شدت سے ہانپ رہی ہے اپنے آپکو سلیم کی آغوش میں چھوڑ دیتی ہے سلیم اسے چوم لیتا ہے۔ انارکلی یک لخت آغوش سے علیحدہ ہو کر دور ہٹ جاتی ہے) یہ نہیں ہو سکتا یہ کبھی نہیں ہو سکتا یہ بھی گیا۔ تو زمین اپنا منہ پھاڑ دے گی آسمان اپنے چنگل بڑھا دیگا یہ خوشی دنیا کی برداشت سے باہر ہے اس کا انجام تباہی ہے۔ شہزادے جاؤ۔ بھول جاؤ۔

سلیم۔ (اس کے قریب جاکر محبت سے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیتا ہے) ہم دونوں ایک دوسرے کے سینے سے چمٹے ہوئے ہوں تو پھر کوئی خوف نہیں۔ آسمان ہمیں کھینچ لے اور ہم نئی روشنیوں میں اڑتے چلے جائیں زمین ہمارے پیروں کے نیچے سے سرک جائے اور ہم نامعلوم اندھیرے میں گرتے چلے جائیں۔ تمہارے بازو ڈھیلے نہ پڑیں۔ تو یہ سب شیریں ہوگا۔ (انارکلی بے انتہا شیریں سلیم کی آغوش تنگ ہوتی چلی جا رہی ہے)

انارکلی (تقریباً گمی سانس میں) اللہ یہ ممکن ہے! پھر اس کا انجام کیا ہوگا؟ اللہ اس کا انجام کیا ہوگا؟

سلیم۔ انجام! مجھ سے پوچھو! انارکلی!

انارکلی۔ (یک لخت تڑپ کر الگ ہو جاتی ہے) آہ ٹھہرو سنو! (آواز پر کان لگا دیتی ہے آخر بے تابی سے) کوئی ہے شہزادے کوئی ہے جاؤ تم چلے جاؤ۔

سلیم۔ (آہٹ لینے کیلئے کان لگاتا ہے۔ پھر بے فکری سے) کوئی نہیں۔

انارکلی۔ (سراسیمگی کے عالم میں سر ہلا رہی ہے) اوہ نہیں قدموں کی آواز تھی ——— (یک لخت کانپ کر آہستہ سے) وہ دیکھو کسی کا سایہ۔ بھاگ جاؤ شہزادے، بھاگ جاؤ۔

سلیم۔ (رخصت ہوتے ہوئے ہاتھ پکڑ کر) تم پھر مجھ سے ملوگی؟

انارکلی۔ (ہاتھ چھڑا کر) ہاں اگر میری خاطر سے۔

(سلیم لپک کر حوض کے دوسری طرف جاتا ہے اور روش سے اتر کر کنارے کی جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو جاتا ہے انارکلی سہمی ہوئی دونوں ہاتھوں سے سینہ تھامے کھڑی ہے)۔

اللہ! میرے اللہ! (دلآرام بڑے اطمینان سے داخل ہوتی ہے)

دلآرام۔ (طنز کے تبسم سے) تم یہاں ہو انارکلی؟ (انارکلی کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلتا۔ پھٹی پھٹی نظروں سے دلآرام کو تکتی رہتی ہے) اور تم تنہا ہو؟

انارکلی۔ (اس کا سانس کھٹکتی ہے) ہاں!

دلآرام۔ (جھاڑیوں کیطرف دیکھتے ہوئے) ابھی یہاں کون باتیں کر رہا تھا؟

انارکلی۔ (اضطراراً جھاڑیوں پر دزدیدہ نظر ڈالتے ہوئے) کوئی نہیں۔

دلآرام۔ میں باتوں ہی کی آواز سن کر آئی تھی۔

انارکلی۔ (سراسیمگی سے) میں گا میں میں اپنے ہی سے باتیں کر رہی تھی۔

دلآرام۔ (مسکراکر) تم اتنی سہمی ہوئی کیوں ہو؟

انارکلی۔ (سراسیمہ ہوکر) نہیں تو۔

دلآرام۔ میں جانتی ہوں انارکلی!

انارکلی۔ (جیسے بجلی گر پڑی) کیا؟

دلآرام۔ یہاں کون موجود تھا؟

انارکلی۔ (سہم کر) کون تھا؟

دلآرام۔ اوہ تم مت ڈرو میں اسقدر بیوقوف نہیں کہ اسکا نام لے دوں ابھی اسکا وقت نہیں یاد رکھو۔ انارکلی۔ میں جانتی ہوں۔ اس راز کی قیمت بھی جانتی ہوں وہ بازار بھی جانتی ہوں جہاں یہ فروخت ہو سکتا ہے۔ ہاں میں اسکی قیمت بھی مقرر کر چکی ہوں پر میں تمکو کیوں بتاؤں میں جاتی ہوں انارکلی بیگم۔ تم پھر اپنے سے باتیں کرو۔

(مذاق سے جھک کر تعظیم بجالاتی ہے اور رخصت ہوتی ہے)

انارکلی (مبہوت ہوکر) اتنے تکتی رہ جاتی ہے پھر سمٹ کر ہر طرف اسطرح پریشان نگاہوں سے دیکھتی ہے گویا خطروں میں گھری ہوئی ہے) میرے اللہ، میرے اللہ یہ کیا ہوگیا یہ سب خواب تھا یہ رات سلیم۔ دلآرام۔ کمبخت جلدی! کیا کچھ! کیا ہوگا۔ ہائے اب کیا ہوگا! (کھڑی کھڑی لڑکھڑا سی جاتی ہے حوض کے کنارے کا سہارا لیتی ہے۔ ہاتھ پیشانی پر یوں رکھ لیتی ہے گویا دماغ میں خیالات کا جو طوفان برپا ہے اسے روک کر کچھ سمجھنا

جاتی ہے۔ ثریا داخل ہوتی ہے۔ انارکلی اسکے قدموں کی آہٹ سنکر چونک پڑتی ہے اور اُٹھ کھڑی ہوتی ہے)

ثریا۔ (ہنس پڑتی ہے) وہ آئے؟

انارکلی۔ کون؟

ثریا۔ صاحب عالم!

انارکلی۔ (حیرت کے عالم میں اسے دیکھتے ہوئے) یہ تُو نے کیا کہا ثریا؟

ثریا۔ کیا؟

انارکلی۔ میری رسوائی کا سامان۔

ثریا۔ (قریب آکر محبت اور تعلق خاطر سے انارکلی کے کندھے پر ہاتھ رکھدیتی ہے) کیا ہوا آپا۔ انہوں نے کیا کہا؟

انارکلی۔ وہی جو تُو کہا کرتی تھی۔

ثریا۔ پھر؟

انارکلی۔ وہی ہوا جو میں کہا کرتی تھی۔

ثریا۔ کیا؟

انارکلی۔ (منہ موڑ کر) میری تیرہ بختی۔

ثریا۔ (انارکلی کے سامنے ہو کر) کیوں؟

انارکلی۔ دلآرام نے ہمیں دیکھ لیا۔

ثریا۔ ہائے دیکھ لیا!

انارکلی۔ ہاں اسے سب کچھ معلوم ہو گیا۔ اور کچھ دیر بعد تمام دنیا کو معلوم ہو جائیگا۔

(انارکلی سر جھکائے آنکھیں بند کئے فکر و اندیشے کی تصویر نظر آرہی ہے)

ثریا۔ (کھوئی ہوئی بجلی سیڑھی پر بیٹھ جاتی ہے کچھ دیر بعد خاموشی سے اور گھبرا کر) آپا پھر اب کیا ہوگا؟

(انارکلی آنکھیں کھولدیتی ہے اور چپ رہتی ہے۔ خاموشی خوفناک ہے ثریا یہ معلوم کرنے کو بیقرار ہے کہ انارکلی کیا سوچ رہی ہے۔) آپا اب ہم کیا کریں۔

(انارکلی اسی طرح گم سم بیٹھی رہتی ہے)

(ثریا سے نہیں رہا جاتا جھنجوڑ کر) آپا!

انارکلی۔ (ثریا کا ہاتھ پکڑ کر وحشت ناک نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتی ہے) ننھی تم جاؤ جاکر سو رہو۔

ثریا۔ (پریشانی کے عالم میں بہن کا منھ تکنے لگتی ہے) اور تُم؟

انارکلی۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) میں جاتی ہوں۔

ثریا۔ کہاں؟

انارکلی۔ جہاں رسوائیوں کا خوف نہیں۔

ثریا۔ (بے قرار ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے) آپا!——"

انارکلی۔ (توقف کے بعد) مجھے مرجانا چاہیے ثریا۔

ثریا۔ (چمٹ کر) کیا کہہ رہی ہو!

انارکلی۔ (کچھ دیر چپ رہ کر) لوگ کیا سمجھیں گے۔ سوچ تو کن نظروں سے مجھ کو دیکھیں گے۔ اس ایک ایک نظر کو برداشت کرنا ایک ایک موت کے برابر ہوگا (ذرا دیر سوچ کر) اور ثریا۔ پھر بیگموں کا غضب، ظلِ الٰہی کا عذاب اور آخر میں ذلت کی موت (ذرا دیر متامل رہ کر یک لخت کھڑی ہو جاتی ہے) میں ابھی مرجاؤں۔ ابھی چپ چاپ میں یہ ملول رُوح اس دنیا سے اکیلی رخصت ہو جائے (آبدیدہ ہو جاتی ہے) میری موت دلآرام کی زبان بند کر دیگی اس امید میں بھی اطمینان ہے (ثریا کو اشکبار دیکھ کر) تو رو رہی ہے ثریا؟ نہ رو ننھی نہ رو اور دیکھ اماں کو کچھ نہ بتائیو۔

ثریا۔ (انارکلی سے لپٹ کر روتے ہوئے)

انارکلی۔ (اسے الگ کرنے کی کوشش کرتی ہے) دیوانی ہوئی ہے ثریا مجھے چھوڑ دے وقت گزرا جا رہا ہے۔ چاند ڈوب جائیگا۔ اندھیرے میں مجھکو راوی کی لہروں سے ڈر معلوم ہوگا۔ مجھے جانے دے۔

ثریا۔ آپا! میری آپا! (سسکیاں بھرتی ہوئی بازو کھول دیتی ہے)

انارکلی (ذرا دیر آنکھیں بند کئے خاموش کھڑی رہتی ہے چہرے پر کرب کے آثار ہیں) میری ثریا! میری ننھی ثریا! (بڑے جوش سے ثریا کو سینے سے چمٹا لیتی ہے) اب رخصت!

ثریا۔ آہ نہیں۔ میں تمہارے ساتھ مروں گی۔ میں تمہارے ساتھ مر سکتی ہوں، تمہارے بغیر جی نہیں سکتی۔

انارکلی۔ (ثریا کے سر پر ہاتھ پھیر کر) نہیں ننھی۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ تم جاؤ جیو۔ اور دیکھو صبا عالم سے کہدینا ــ"

(سلیم یک لخت جھاڑیوں کے پیچھے سے نکل کر روش پر آجاتا ہے)

سلیم۔ سلیم خود سننے کو موجود ہے۔

ثریا۔ (انارکلی کو چھوڑ دیتی ہے اور بھاگ کر سلیم کا دامن پکڑ لیتی ہے) آہ! بچائیے! بچائیے! میری آپا کو بچائیے۔ دلارام نے دیکھ لیا۔ آپ کو اور انکو دیکھ لیا وہ کہہ دیگی سب سے کہہ دیگی۔ ہائے پھر کیا ہوگا۔ یہ مرنے کو جا رہی ہیں شہزادے! شہزادے!!

سلیم (سامنے آتے ہوئے) یہی خدشہ مجھے راستہ سے واپس کھینچ لایا ہے (انارکلی کے قریب پہنچ کر) لیکن انارکلی دلارام نے ہم کو اکھٹے نہیں دیکھا۔

انارکلی۔ (سر جھکا کر) وہ جانتی ہے سب کچھ جانتی ہے۔ اسکی گفتگو میں کینہ تھا ایک پیاس تھی۔

ثریا۔ ہاں وہ کہہ دے گی۔ میں اُسے جانتی ہوں وہ ضرور سب سے کہہ دے گی۔

سلیم۔ وہ جرات نہیں کر سکتی۔ اس نے دیکھا نہیں۔ وہ کسی کو دکھا نہیں سکتی۔ یہ ناممکن ہے

انارکلی۔ آہ تم نہیں جانتے تم نہیں جان سکتے۔ تم شہزادے ہو تم تک شبہ کی نظریں نہیں پہنچ سکتیں۔ انارکلی کنیز ہے صرف وہم اسکو مروا ڈالنے کو کافی ہے۔

سلیم۔ (جوش میں آکر) نہیں۔ انارکلی سلیم کے پہلو سے نوچی نہیں جا سکتی۔ ناممکن ہے ناممکن! انارکلی نہ کہو۔ یوں نہ کہو۔ میری زندگی کی اکیلی خوشی اتنی ناچیز نہیں۔ تم نہیں جانتیں۔ تم میرے کیا ہو۔ سلیم تمہارے بغیر جی نہیں سکتا۔ انارکلی اگر تم پر آنچ آئی اُس پر قیامت آئیگی تم نہ رہیں۔ وہ نہ رہیگا۔ میں چھوڑ سکتا ہوں ان محلوں کو۔ اس سلطنت کو سب کو تیرے ساتھ میں دنیا کے تنگ ترین گوشے میں قانع ہو سکتا ہوں، غربت میں، مصیبت میں،

ہر طرح۔ اگر سلیم مغلیہ ہند کا بادشاہ بنا تو تو اسکی ملکہ ہوگی۔ اگر تو نہیں تو وہ بھی نہیں۔
میری انارکلی میری اپنی انارکلی (انارکلی کو آغوش میں لے لیتا ہے)
انارکلی۔ آہ! آہ! (ایک بے بس چیز کی طرح اپنے آپکو سلیم کی آغوش میں چھوڑ دیتی ہے)
ثریا۔ اللہ! (مخلصی کے احساس سے آنکھیں بند کر لیتی ہے)
(دلآرام بغیر معلوم ہوئے حوض کے کنارے تک آ پہنچتی ہے)
دلآرام۔ ہندوستان کے آئندہ بادشاہ کو اپنی ملکہ مبارک ہو۔
(انارکلی چونک کر دلآرام کو دیکھتی ہے اور بیہوش ہو کر سلیم کے بازوؤں میں گر پڑتی ہے۔ ثریا سہم کر سلیم کا دامن پکڑ لیتی ہے۔ سلیم پریشانی کے عالم میں دلآرام کو دیکھتا ہے۔ دلآرام کے چہرے پر طنز کا خفیف سا تبسم ہے)

پردہ

باب دوم
منظر اوّل

سلیم کا ثمن برج والا ایوان!

جھروکے میں سے موسم بہار کی صبح کا آسمان شگفتگی اور تازگی کا نور برساتا نظر آ رہا ہے، ایوان میں سلیم ہے اور بختیار سلیم کے بال پریشان ہیں، خط نہیں بنا معلوم ہوتا ہے کہ منہ تک نہیں دھویا۔ چہرے سے بیخوابی اور فکر کے آثار نمایاں ہیں ایک کشمیری فرغل پہنے ہوئے تکئے کے سہارے مسند پر نیم دراز رات کا واقعہ بختیار کو سنا رہا ہے۔ بختیار کے لباس میں گذشتہ شام کی سج دھج نظر نہیں آتی صاف معلوم ہوتا ہے خلافِ معمول صبح صبح طلب کئے جانے پر اتنی مہلت نہیں ملی کہ لباس کی تزئین و آرائش کیطرف خاطر خواہ توجہ کر سکتا مسند پر سلیم کے سامنے ہمہ تن گوش بیٹھا اندیشہ ناک نظروں سے اسکا چہرہ تک رہا ہے۔

سلیم۔ میں ابھی پورے طور پر سمجھنے بھی نہ پایا تھا کہ کیا ہوا۔ جو دلآرام وہاں سے جا چکی تھی۔
بختیار۔ (سلیم کے چہرے پر سے نظر ہٹائے بغیر) اور انارکلی؟
سلیم۔ جب وہ ہوش میں آئی۔ اسکا چہرہ نعش کیطرح پیلا تھا، کانپ رہی تھی، اور اپنی سکت

نظروں سے میری طرف تک رہی تھی۔ اور کچھ نہ بول سکتی تھی۔ بختیار ـــ خدایا کس قیامت کی گھڑیاں تھیں (واقعے کی تفصیل یاد آجانے سے کھویا سا جاتا ہے)۔

بختیار۔ (کچھ دیر منتظر رہ کر) اور پھر؟

سلیم۔ (آہ بھر کر) میری اور ثریا کی تسلیوں اور دروغ گوئیوں نے اسکی زبان کھلوائی۔ اور میں نے طرح طرح سے اطمینان دلا کر اس سے وعدہ لیا کہ وہ پھر خودکشی کی کوشش نہ کریگی۔ (خاموش ہو کر اندیشہ ناک تفکرات میں غرق ہو جاتا ہے)۔

بختیار۔ (کچھ دیر بعد کھنکار کر) میں نے تم کو منع بھی کیا تھا۔ مگر تم نہ مانے سلیم! اب تم جانتے ہو انارکلی اور تم کسقدر خطرے میں ہو۔ اتنا بڑا راز اور ایک کنیز اس سے واقف کبھی بھی کسی لمحے اسکی ناخوشی، اسکی ناراضی صرف اسکی بیوقوفی اس راز کے انکشاف سے، تمام محل میں ایک آگ لگا سکتی ہے۔ اور پھر اس کا انجام ظلِ الٰہی سا باپ اور سلیم سا فرزند۔ خدا جانے کیا ہوگا۔

سلیم۔ (حرفِ مطلب چھیڑنا چاہتا ہے) بختیار۔ ہمیں فوراً دلآرام کی زبان بند کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

بختیار۔ (کچھ دیر زیادہ شدت سے غور کر کے) مجھے ڈر ہے یہ کوشش معاملات کو بدتر نہ بنا دے۔

سلیم۔ میں سمجھتا ہوں۔ دلآرام صرف اسلئے وہاں آئی کہ مجھ پر ظاہر کر دے وہ میرے راز سے واقف ہے، پھر اور اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ اور مجھے یقین ہے اب وہ اس راز کی واقفیت سے فائدہ اٹھانے کی آرزومند ہوگی۔ وہ قیمت چاہے بختیار! (اسکے چہرے کیطرف یوں دیکھتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ کچھ اور کہے بغیر بختیار کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہے)

بختیار۔ (سلیم کا منہ تکتے ہوئے) اور تم قیمت ادا کر دینا چاہتے ہو لیکن کسقدر؟

سلیم۔ دلآرام کی توقع سے زیادہ۔

بختیار۔ ہوں (کچھ دیر سوچتا رہتا ہے) لیکن اگر ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد وہ دوسرے لمحے خاموش رہنے کی قیمت چاہے اور اس طرح اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ زرِ سرخ سے

پُر کرنے کی آرزو مند ہو تو سلیم، قارون کا خزانہ وفا نہیں کر سکتا۔

سلیم۔ (سر کی خفیف جنبش اثبات کے ساتھ آنکھیں تنگ ہوتی جا رہی ہیں) لیکن بختیار تم جانتے ہو۔ زندگی سے یاس شیر کو کس قدر خوفناک بنا دیتی ہے۔

بختیار۔ (کچھ دیر بعد سوچ سے سر اُٹھا کر) سلیم تم کچھ بھی کرو۔ تمہاری سیج میں ایک کانٹا ضرور رہیگا۔ جسکی چبھن دلآرام کی چیتون پر منحصر ہوگی، پھر تم کیوں نہ چھوڑ دو۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ چھوڑ دو۔ انارکلی کو، اس شہر کو۔ اس خطرناک فضا کو اور یہاں سے دور فوجوں کی سرداری یا دلفریب مناظر کی خاموشی میں سب کچھ بھول جاؤ۔

سلیم۔ بختیار! یہ مشورہ شہر کا ہر نان بائی مجھے دے سکتا تھا۔ تم سے مجھے زیادہ ہمدردی کی توقع تھی۔

بختیار۔ لیکن شہزادے اس پوشیدہ محبت کا انجام ہر حال میں خطرناک ہے۔ محلسرائے میں یہ محبت راز نہیں رہ سکتی۔ تم انارکلی کو اپنی بیگم نہیں بنا سکتے پھر تم ——

سلیم۔ (بیقراری سے بات کاٹ کر) میں کیوں انارکلی کو اپنی بیگم نہیں بنا سکتا اس میں کیا نہیں جو میرے لئے ضروری ہے۔

بختیار۔ اس میں تمہارے لئے سب کچھ ہو۔ لیکن ظلِ الٰہی کے لئے جن کے تم فرزند اور مغلوں کے لئے جن کی تم امید ہو کچھ بھی نہیں۔

سلیم۔ ظلِ الٰہی کا فرزند اور مغلوں کا ولیعہد ہونے سے پہلے میں انسان ہوں۔

بختیار۔ (بات کی اہمیت جتانے کو آہستہ سے) اور وہ بھی انسان ہیں۔

سلیم۔ (پریشان ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے) تم بحث چاہتے ہو۔ دلیلیں چاہتے ہو۔ میں ہمدردی چاہتا ہوں مشکل کا حل چاہتا ہوں۔

بختیار۔ جو حل میں پیش کرتا ہوں۔ تم سننا اور سمجھنا نہیں چاہتے۔

سلیم۔ تم صرف یہ چاہتے ہو کہ میں دنیا کے خوف سے مفلوج ہو کر بیٹھ رہوں۔

بختیار۔ یہ خوف بزدلی نہیں تدبیر ہے (اٹھ کر محبت سے سلیم کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیتا ہے)

ایک فلسفی دنیا کی چہ میگوئیوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ دنیا کو مایوس کر کے مسکرا سکتا ہے۔ تہمتوں پر ہنس سکتا ہے۔ محض یہ دیکھنے کو کہ کھسیانی دنیا کیا کرتی ہے۔ ہر الزام کو قبول کر لیتا ہے۔ دنیا کو دعوت مقابلہ دے کر اپنی عزلت تلخ تہقہوں میں گزار دیتا ہے۔ لیکن ایک شہزادہ جسے دنیا ہی نے سب کچھ بنا رکھا ہو۔ جسکے تخت کے پائے دوسروں کے شانوں پر رکھے ہوئے ہوں جس سے اطاعت کے معاوضے میں وراثت کے معاوضے میں امیدیں وابستہ ہوں وہ دنیا کی مایوسی اور چہ میگوئی سے بے پروا ہونیکی جرات کیوں کر کر سکتا ہے؟

سلیم۔ (تلخ حقائق سے گھبرا کر بختیار کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتا ہے) لیکن بختیار رات گذر چکی ضبط اور ایثار کا موقع جاتا رہا۔ میں اپنا دل کھولکر انارکلی کے سامنے رکھ چکا۔ اب تم یہ چاہتے ہو۔ تمہارا سلیم ایک کمزور اور بے بس لڑکی کی نظروں میں دروغ گو اور سنگ دل ثابت ہو؟

بختیار۔ (کچھ دیر چپ رہ کر) اگر تم نے ایک غلطی کا علاج دوسری غلطی سے کیا تو تم غلطیوں کے انبار کے نیچے دب جاؤگے (توقف کے بعد) تم اپنے الفاظ سے پھر وگے۔ لیکن ایک اہم تر مقصد کیلئے تم دودمانِ مغلیہ کے چشم و چراغ ہو ظل الہٰی اور تمام مغلیہ ہند کی نظریں تمہارے مستقبل میں عظمتوں کے خواب دیکھ رہی ہیں جو کچھ ہو چکا، ہو چکا، ظل الہٰی کی خاطر، مغلوں کی خاطر خود انارکلی کی خاطر اسے بھول جاؤ

سلیم۔ (ذرا دیر ٹہل کر) تم بزدل ہو، بہت بزدل ہو۔ بختیار! ہمیشہ معاملات کا تاریک پہلو دیکھتے ہو۔ ہمیشہ شبہوں میں گرفتار رہتے ہو تم خود یاس اور ناکامی کو دعوت دیتے ہو۔ تم —— (قدموں کی آہٹ سن کر رک جاتا ہے)

(زعفران اور ستارہ حاضر ہو کر کورنش بجا لاتی ہیں) زعفران اور ستارہ!

زعفران۔ (بختیار کو دیکھ کر ذرا شرماتی ہے لیکن بہت جلد سنبھل جاتی ہے) حضور مہارانی جی نے بھیجا تھا کہ . . . . "

ستارہ۔ (بات کاٹ کر شوخی سے) جھوٹ بالکل جھوٹ۔ میں بتاؤں حضور۔ ابھی ابھی آپ بن سنور کر

آرہی تھیں، راستے میں مل گئی میں کہنے لگیں چلو صاحب عالم کیطرف چلیں ....

زعفران ۔ (شرماکر جلدی سے) حضور اس کی نہ سنئے۔ بجتی ہے جھوٹی لپاٹن کہیں کی۔

ستارہ ۔ (بات کاٹ کر) میں نے کہا اور اگر صاحب عالم نے پوچھا کیسے آئیں۔ تو کیا کہیں گے؟ بولیں۔ کہدینگے ہمارا رانی جی نے بھیجا ہے۔

زعفران۔ (ناز سے بگڑ کر) نہیں مانے گی ستارہ؟

ستارہ۔ (شوخی سے بار بار زعفران کیطرف دیکھتے ہوئے) اور میں نے کہا واپس آنے پر مہارانی جی نے پوچھا کہاں گئی تھیں۔ تو کیا جواب ہوگا۔ بولیں کہدینگے صاحب عالم نے بلوایا تھا۔

زعفران۔ (کھسیانے پن سے) حضور چلکر پوچھ لیجئے مہارانی جی سے چڑیل کہیں کی۔ اچھا یاد رکھیو تو

بختیار۔ (لڑکیوں کی ہیر اور شوخ باتوں نے سب کچھ بھلا دیا ہے مسکرا کر) تم نے تمھی جھروکے میں سے ہمکو تو آتے ہوئے نہیں دیکھ لیا تھا؟

زعفران (ادا سے) ہم تو ایک نئی غزل سنانے آئے تھے۔

بختیار۔ خوب بھلا سنیں تو؟

ستارہ، گائیں گی ٹوٹی ہوئی بین کی طرح۔

سلیم۔ (خیال سے چونک کر) نہیں زعفران اس وقت نہیں۔

ستارہ اور کیا۔ بھلا کوئی وقت ہے غزل سننے کا؟

بختیار۔ سنئے بھی قبلہ۔ کیا مضائقہ ہے (زعفران سے) تو تو تھوڑی سی سنا، جلدی سے

زعفران۔ (ناز سے) یوں تو ہم نہ سنائیں گے۔

بختیار۔ اور؟

زعفران۔ اطمینان سے پوری غزل سنائیں گے ہم تو۔

بختیار۔ (دلچسپی بڑھتی چلی جارہی ہے) خوب بھئی بڑے مزے کی چیز ہو۔ تم تو آیا کرو نہ یہاں!

ستارہ کہنے کی کیا ضرورت تھی وہ تو آپ ہی آچکی ہوں گی۔

زعفران۔ اچھا مردار! آج دیکھو تو ــــــ"

بختیار۔ ہاں تو کیا غزل تھی زعفران ؟

سلیم۔ (تنگ آ کر) ستارہ زعفران (سلیم ٹہل کر پیچھے برج کیطرف چلا جاتا ہے)

زعفران۔ (غزل شروع کرتی ہے بختیار بہت غور سے سنتاہے اور داد دیتا رہتا ہے)

غزل

این پیش خیل کج کلہاں از سپاہ کیست | دین قبلۂ کج شدہ طرف کلاہ کیست
پایم بہ پیش از سر این کہ نمی رود | یاران خبر دہید کہ این جلوہ گاہ کیست
گرد سر تو گشتن و مردن گناہ من | دیدن ہلاک و رحم نہ کردن گناہ کیست
کف مے کشد بزلف دمی گو یدش کہ | کالای زلف در ہم از اثر دود آہ کیست !
چون بگذرد نظیری خونین کفن بحشر | خلقے فغاں کنند کہ این داد خواہ کیست

سلیم۔ (برج سے واپس آ کر ستارہ باتیں کر رہی ہے ؟ تو ستارہ ! دلآرام کو فوراً بھیجدو کہہ دینا پان منگواتے ہیں۔

ستارہ۔ (زعفران سے) بی اب چلتی ہو کہ جوتیاں کھا کر نکلو گی۔

زعفران (جو بختیار کی میٹھی میٹھی نظروں کے جواب میں لجا رہی ہے) تو کیوں جلی مرتی ہے

سلیم ۔ جاؤ زعفران۔

بختیار (زعفران سے) ہاں تو یاد رکھنا کبھی کبھی جب ہم آئیں تو معلوم کر لیا کرو۔ ہیں یہاں۔

(زعفران مسکراتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ بختیار دیر تک کھڑا مسکرا مسکرا کر اشارے کرتا رہتا ہے)۔

سلیم۔ بختیار تم سچ کہتے ہو۔

بختیار۔ واللہ خوب حسین ہے (بات کر کے سلیم کے چہرہ پر نظر ڈالتا ہے اسے فکر مند دیکھ کر شرما سا جاتا ہے)۔

سلیم۔ اب بات نے بڑی خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ اس کے خطر ناک ہونے کا پوری طرح اندازہ لگا نا مشکل ہے۔

بختیار۔ (اب سنبھل چکا ہے) تم نے دلآرام کو بلوایا ہے۔

سلیم۔ ہاں ابھی پس و پیش کی اذیت مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی اور مجھے کچھ معلوم نہیں

انارکلی ۔۔۔ اس غریب کی کیا کیا حالت ہو گی بختیار!

بختیار۔ لیکن تم دلارام سے کہنا کیا چاہتے ہو؟

سلیم۔ مجھے یقین ہے اس کی خاموشی کو خریدا جا سکتا ہے۔

بختیار۔ لیکن کب تک کے لئے۔ آخر اس سے کیا حاصل؟

سلیم۔ (آہ بھر کر) یہ ملاقات کے بعد معلوم ہو گا۔

بختیار۔ (آہٹ پر کان لگا کر) کوئی آ رہا ہے۔

سلیم۔ دلآرام۔

بختیار۔ میں اِدھر ڈیوڑھی میں ٹھہرتا ہوں۔

(بختیار جلدی سے رخصت ہو جاتا ہے۔ سلیم مسند پر بےفکری کے انداز میں بیٹھ جاتا ہے) دلآرام خاصدان لئے ہوئے داخل ہوتی ہے اور سلیم کے قریب کھڑی ہو جاتی ہے۔ دونوں خاموش رہتے ہیں)۔

دلآرام۔ (کچھ دیر بعد) حضور نے پان طلب فرمائے تھے۔

سلیم۔ رکھ دو دلآرام (دلآرام خاصدان میز پر رکھ دیتی ہے پھر دونوں خاموش ہیں)

دلآرام۔ کوئی اور حکم؟ (سلیم خاموش رہتا ہے۔ دلارام ذرا دیر جواب کا انتظار کرتی ہے) میں رخصت ہوتی ہوں (دروازے کی طرف جاتی ہے۔)

سلیم۔ ٹھہرو دلارام۔ (دلآرام جہاں ہے وہیں تھم جاتی ہے سلیم پھر خاموش ہو جاتا ہے۔ آخر کچھ دیر کے پس و پیش کے بعد) میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

دلآرام۔ (قریب آ کر) ارشاد؟

سلیم۔ (دوسری طرف دیکھتے ہوئے) تم پوچھ سکتی ہو، میں کس معاملہ کے متعلق گفتگو کروں گا۔

دلآرام۔ ضروری تو نہیں۔

سلیم۔ (تامل کے بعد) میں چاہتا ہوں تم جو کچھ جانتی ہو وہ راز رہے۔

۳۰۹۸

دلآرام ۔ یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی کنیزیں اتنی عالی ظرف ہو سکتی ہیں۔
سلیم ۔ (سلیم اس جواب کیلئے تیار نہ تھا، سمجھ میں نہیں آتا اب کیا کہے کچھ دیر گومگو کے عالم میں رہتا ہے) مگر دلآرام تم بتاؤ گی۔ تم وہاں کیوں آئی تھیں۔
دلآرام ۔ آپ کے انتخاب پر آپ کو مبارک باد دینے۔
سلیم ۔ تم کچھ چھپا رہی ہو دلآرام ؟
دلآرام ۔ جسقدر آپ مجھے بلانے کا مقصد چھپا رہے ہیں۔
سلیم ۔ میں بتا چکا ہوں میں راز داری چاہتا ہوں۔
دلآرام (سر جھکا کر) ایسا ہی ہو گا۔
سلیم ۔ (پہلی مرتبہ دلآرام کی طرف دیکھکر) اور اب تم۔
دلآرام ۔ (سر جھکائے کچھ دیر خاموش کھڑی رہتی ہے آخر تامل سے) میں اسکی قیمت چاہتی ہوں
سلیم ۔ (چہرے پر خفیف سا تبسم ہے) میں جانتا تھا تمکو قیمت مقرر کرنے کی آزادی ہے لیکن واضح رہے مجھے بکمشت قیمت ادا کر دینا زیادہ پسند ہے۔
دلآرام دیر تک سر جھکائے خاموش کھڑی رہتی ہے آخر منہ دوسری طرف موڑ لیتی ہے۔)
صاحبِ عالم وہ سونا نہیں۔ جواہرات نہیں۔ ایک بدنصیب کنیز ان چیزوں پر جان دیتی ہے۔ لیکن اس کی زندگی بعض ان سے بھی زیادہ پیاری چیزوں سے خالی ہوتی ہے۔
سلیم ۔ (اعتماد انگیز انداز میں) پھر تم کیا چاہتی ہو ؟
دلآرام (مڑ کر حسرت ناک نظروں سے سلیم کو دیکھتی ہے اور کچھ کہنا چاہتی ہے مگر رک جاتی ہے آخر ہمت کر کے) تم خود نہیں بوجھ سکتے شہزادے ؟
سلیم (کسیقدر ریچوگنا ہو کر) میں صاف لفظوں میں قیمت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔
دلآرام ۔ قیمت ؟ (توقف کے بعد) آہ یہ لفظ سب کچھ برباد کئے دیتا ہے۔
سلیم ۔ (کسیقدر بگڑ کر) میں پہیلیاں بوجھنا نہیں چاہتا۔
دلآرام ۔ (حوصلہ کر کے محبت کے واضح انداز میں کہتی ہے) تم نہیں بوجھ سکتے شہزادے جب ایک کنیز تمہارے لئے پان لیکر آتی ہے تو وہ کیا چاہتی ہے ؟

سلیم۔ (حیرانی سے) کیا چاہتی ہے؟

دلآرام۔ (توقف کے بعد بے بس ہو کر) تم نہیں بوجھ سکتے جب وہ ایک شہزادے کو ایک دوسری کنیز کیساتھ محبت کرتے ہوئے دیکھتی ہے تو وہ کیا چاہتی ہے؟

سلیم۔ (حیرت بڑھ رہی ہے۔ الفاظ سن رہا ہے مگر یقین نہیں کرنا چاہتا) کیا چاہتی ہے

دلآرام۔ تم کتنے ظالم ہو شہزادے!

سلیم۔ (وقار سے) مت بھولو! تم کس سے گفتگو کر رہی ہو۔

دلآرام۔ (بے اختیاری سے) میں عورت ہوں۔

سلیم۔ میں صرف مرد نہیں ہوں۔

دلآرام۔ تم نہ سمجھنا چاہو تو میں بے بس ہوں۔

سلیم۔ (شبہ ہے کہ وہ غلط تو نہیں سمجھ رہا) میں سننا چاہتا ہوں۔

دلآرام۔ میں لفظوں میں نہیں بیان کر سکتی، میں ایک غزل سناتی ہوں، میری آواز بیاں کرے گی۔
(دلی جوش کے ساتھ غزل گانا شروع کرتی ہے۔ سلیم مبہوت سا بیٹھا ہوا سنتا رہتا ہے)

غزل

بملازمانِ سلطاں کہ رساند ایں دعا را
کہ بشکرِ پادشاہی زنظر مراں گدا را

چہ قیامت است جاناں کہ بعاشقاں نمودی
رخِ ہمچو ماہِ تاباں، دلِ ہمچو سنگِ خارا

دلِ عالمے بسوزی چو عذار برفروزی
تو ازیں چہ سود داری کہ نمی کنی مدارا

ہمہ شب دریں امیدم کہ نسیمِ صبحگاہی
بہ پیامِ آشنائی بنوازد آشنا را

سلیم۔ (نہیں رہا جاتا، ایک لخت اسے روک دیتا ہے) کیا کہہ رہی ہے دلآرام؟

دلآرام۔ (دوزانو ہو کر) شہزادے میں تیری کنیز ہوں۔

سلیم۔ (حیرت کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے) یا خدایا! تجھے جرأت کیسی ہوئی؟

دلآرام۔ (جھوٹ بہتی ہے) جرأت! انارکلی سے پوچھو جبر آئینے سے پوچھو! اپنی آنکھوں سے پوچھو! میں تمہیں چاہتی ہوں، مدت سے چاہتی ہوں۔ مجھے کبھی جرأت نہ ہوتی تھی تم سے کہوں آج تقدیر نے مجھ کو موقع دیا، تمہارے راستے میں لا ڈالا۔ میں محبت کے صرف ایک لفظ کی

محتاج ہوں۔ شہزادے، میرے شہزادے!!

سلیم۔ (بے انتہا غصے اور نفرت سے) بے وقوف ____

دلآرام۔ (وقار سے کھڑی ہو جاتی ہے) صاحب عالم۔ میرا دل بے اختیار سہی لیکن مجھ میں خود داری باقی ہے۔

سلیم۔ کمینی! اس قدر دلیری، تو نے کیا سمجھ کر یہ کہا۔ سلیم کنیز کی دھمکیوں سے سہم جائیگا۔ چڑیل ہماری نرمی کا یہ اثر! پھر اب سُن رکھ دلآرام۔ اگر تیری زبان سے اس راز کا ایک لفظ بھی نکلا۔ تو دوسرے لمحے تیری سر بریدہ نعش راوی کی لہروں پر تیر رہی ہوگی۔

دلآرام۔ ہماری گفتگو تمام ہوئی (آداب بجالا کر رخصت ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی چبوترے کی سیڑھیوں تک پہنچتی ہے۔

سلیم۔ (مسند پر بیٹھکر سامنے تکتے ہوئے) ٹھہرو، دلآرام۔ میں ایک بار پھر تمہیں موقع دیتا ہوں۔

دلآرام۔ (سیڑھیوں پر سے) مجھے اور کچھ عرض نہیں کرنا۔

سلیم۔ (پھر کھڑا ہو جاتا ہے) دلآرام تم پچھتاؤ گی، اب سوچ لو۔ یہ وقت تمہیں حاصل نہ ہوگا۔

دلآرام۔ (چبوترے پر سے) آپ جب یاد فرمائیں گے میں پھر حاضر ہوں گی۔ (جانا چاہتی ہے)

سلیم۔ (بے قابو ہو کر) لیکن دلآرام تم بھی یہ سمجھکر غور کرنا۔ جو الزام تم انارکلی پر لگا رہی ہو وہ اب تم پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اگر تم کہہ سکتی ہو کہ سلیم انارکلی کو چاہتا ہے تو سلیم کہہ سکتا ہے کہ دلآرام سلیم کو چاہتی ہے، ہاں یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ناکامی نے دلآرام کو انتقام لینے پر تیار کر دیا (ذرا دیر خاموش ہو جاتا ہے کہ دلآرام کو اپنی بے چارگی کا احساس ہو) تم اپنے جال میں خود گرفتار ہو۔

دلآرام۔ تم یہ کہنا چاہتے ہو شہزادے! کہ اگر ہم ایک دوسرے کے متعلق کسی سے کچھ کہنا چاہیں تو ثبوت کے گواہوں کی ضرورت ہے؟ (دلآرام کے چہرے پر ایک خفیف سا تبسم نمودار ہوتا ہے سلیم آنکھیں کھولے اسے تک رہا ہے کہ اب وہ کیا کہے گی!) (یک لخت پردے سرکتے ہیں اور بختیار چبوترے پر دوسری طرف سے داخل ہوتا ہے)

بختیار۔ (مضحکہ انگیز تعظیم سے) لیکن سلیم گواہ حاصل کر چکا!

دلآرام۔ (چہرے پر سے تبسم یوں غائب ہو جاتا ہے جیسے اس پر بجلی گر پڑی ہو۔ وہ

دوڑی ہوئی آتی ہے۔ صاحب عالم! (سلیم کے قدموں میں گر پڑتی ہے)۔

سلیم۔ (بختیار کو دیکھتے ہوئے) بختیار! میں بھول چکا تھا۔ تم ادھر موجود ہو۔ (دلآرام سے) دلآرام جاؤ اور اس واقعہ کو یاد رکھو۔

(دلآرام اٹھتی ہے اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے سسکیاں بھرتی ہوئی رخصت ہوتی ہے)۔

(بختیار سیڑھیاں اتر کر سلیم کے قریب آتا ہے۔ سلیم محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا ہے)۔ بختیار! تم نے مجھے ہر خطرے سے محفوظ کر دیا۔

بختیار۔ ایک چال کا جواب دے لینے سے بازی کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔

سلیم۔ (بختیار کا چہرہ تکتے ہوئے)

بختیار۔ تم اناڑی شاطر ہو۔ حریف اور چال سوچ لے گا۔ مہلت سے فائدہ اٹھاؤ اور اسی وقت ہنس کر بساط الٹ ڈالو۔

(بختیار یہ کہہ کر یک لخت رخصت ہو جاتا ہے۔ سلیم اسے دیکھتا رہتا ہے پھر سوچ میں مسند پر بیٹھ جاتا ہے۔ اطمینان اور فرحت کی ایک انگڑائی لیتا ہے اور تکیئے پر سر رکھ دیتا ہے)۔

(پے در پے واقعات کے بعد اب بے فکری حاصل ہونے سے میٹھی نیند اس کی پلکیں بند کر رہی ہے کہ پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے)۔ "پردہ"

منظر دوم

انارکلی کا حجرہ۔

ہلکے زرد رنگ کی دیواروں کا مختصر سا حجرہ ہے جس میں سامان آرائش بہت کم ہے، دیواریں سادہ ہیں، سامنے کی دیوار کے مغلیہ انداز کے تین جالیدار دریچے ہیں جن کے پردے اگر کھلے ہوں۔ تو پرے لے بائیں باغ کے جھکے ہوئے معمر درخت اور خشک فوارے نظر آتے ہیں۔ دائیں بائیں تین تین دروازے ہیں۔ دائیں ہاتھ کے دروازے سہ دری میں کھلتے ہیں اور بائیں ہاتھ کے ثریا کے کمرے کو جاتے ہیں۔

ایک کونے میں ذرا نیچا چوکور تخت ہے جس پر سبز اطلس کی سوزنی بچھی ہے اوپر آسمانی مخمل کے چھوٹے بڑے تکیے بے ترتیب پڑے ہیں پاندان بند رکھا ہے۔ ستار اور سارنگی کونے میں کھڑی ہے۔ ستار پر پھولوں کا ایک بڑا سا مرجھایا ہوا ہار لٹک رہا ہے۔ دوسرے کونے میں ایک پلنگ گیری پر سبز بچھا ہے اوپر سبز ریشم کا پلنگ پوش پڑا ہے۔ جس کی سلوٹیں کہہ رہی ہیں کہ پچھلی رات اسے پلنگ پر سے اٹھایا نہیں گیا۔ عنفی نیلے پردے جن پر سبز ریشم سے مغلیہ محرابوں کے نمونہ بنائے ہیں۔ دروازوں اور دریچوں پر کھنچے ہوئے ہیں۔ باہر صبح روز روشن میں تبدیل ہو چکی ہے پردوں کی وجہ سے اس حجرے میں اندھیرا ہے۔

انارکلی اکیلی تخت کے کنارے پر یوں بیٹھی ہے جیسے کھڑے کھڑے تھک کر چور ہو گئی ہو اور محض سہارے کی خاطر بیٹھ گئی ہو۔ بال بکھرے ہوئے ہیں۔ چہرہ بابکلے ہے۔ آنکھیں بھاری۔ پریشان نظروں سے ادھر ادھر تک رہی ہے اور مٹھیاں کبھی کھولتی اور کبھی بند کرتی ہے۔

انارکلی سب کو معلوم ہو گیا سب کو معلوم ہو گیا پھر کیوں نہیں آتے اور مجھکو پکڑ لے جاتے ..... دلآرام سے کیوں سنتے ہو۔ آؤ مجھ سے سنو۔ مجھے محبت ہے کنیز کو ولیعہد سے سلیم سے' میں نے جان بوجھ کر یہ زہر پیا ہے اس کا مزہ زندگی سے زیادہ میٹھا تھا اب اور کیا چاہتے ہو۔ سزائیں پھر سوچ لینا۔ پہلے لیجاؤ یہاں سے مجھ کو لیجاؤ۔ یوں نہیں مرا جاتا۔

(سہ دری میں سے ایک قہقہے کی آواز آتی ہے۔ کوئی خواجہ سرا کھلکھلاتا گزر رہا ہے۔ انارکلی قہقہے کی آواز سے سہم جاتی ہے۔

آپہنچے، آپہنچے، اللہ! میرے اللہ!!

(بھاگتی ہے اور دوسری طرف کے دروازے کے پردے میں چھپ جاتی ہے کچھ دیر اندر ہی دبکی ہوئی منتظر رہتی ہے۔ آخر پردہ سرکا کر سراسیمہ نظروں سے جھانکتی ہے۔ پھر آہٹ پر کان لگا دیتی ہے، اطمینان ہو جاتا ہے تو ڈگمگاتے قدم

پھونک پھونک کر رکھتی ہوئی باہر آتی ہے، کچھ دیر تخت کے قریب خاموش کھڑی رہتی ہے اس کا نحیف جسم ان شدید جذبات کی تاب سے جواب دیتا ہے اور لڑکھڑا کر تخت پر گر پڑتی ہے)۔

کب تک۔ اللہ! کب تک! (منہ ایک نرم تکئے پر رکھ کر بے حس و حرکت پڑ جاتی ہے)

(انارکلی کی ماں، داخل ہوتی ہے)

ماں۔ (انارکلی کو پڑا دیکھ کر فکر مندی سے اس کی طرف بڑھتی ہے) نادرہ!

انارکلی۔ (چونک کر یک لخت اٹھتی ہے اور دور ہٹ جاتی ہے) اماں!

اماں۔ کیا ہے بیٹی۔

انارکلی۔ تمہیں معلوم ہو گیا؟

ماں۔ کیا؟

انارکلی۔ تم کیوں آئی ہو؟

ماں۔ نادرہ!

انارکلی۔ (ماں کو تکتے ہوئے) تو ابھی نہیں معلوم ہوا (سر جھکا کر چپ ہو جاتی ہے)

ماں۔ (پریشانی کے عالم میں قریب جا کر) کیا ہوا نادرہ؟ بیٹی! میری جان نادرہ؟

انارکلی۔ (آہستہ سے) اماں! (ماں کی طرف دیکھتی اور بچوں کی طرح اس سے لپٹ جاتی ہے)۔

ماں۔ (سراسیمگی سے) کیا ہوا بیٹی؟ نادرہ!

انارکلی۔ (ماں کے سینے پر آنکھیں بند کر کے) کچھ نہیں اماں۔

ماں۔ (لپٹے لپٹائے انارکلی کا منہ اوپر کو کرتی ہے) یہ تو ڈری ہوئی کیسی تھی؟

انارکلی۔ (بے بسی کی نظروں سے ماں کو تکتی ہے) ہاں اماں میں ڈر گئی تھی۔

ماں۔ (بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہے) اور یہ معلوم ہو گیا کیا پوچھ رہی تھی؟

انارکلی۔ (ٹلنے کو الگ ہو جاتی ہے) نہیں تو اماں!

ماں۔ نادرہ!

انارکلی۔ (مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے) کچھ نہیں، رات کو دیر میں سوئی، پریشان خواب

نظر آتے ہیں۔ ابھی ابھی تو آنکھ کھلی اسی کا خیال ستا رہا تھا۔

ماں۔ اے ہے تیری چھٹی چھٹی، تمھیں دیکھ کر میرا کلیجہ دھک سے رہ گیا وہ تو خیر ہوئی کہ میں آ گئی۔ نہیں تو نہ جانے تیری کیا حالت ہوتی (محبت سے پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر) لے اب باہر چل۔ ساری دنیا اٹھ بیٹھی۔ کام کاج میں لگ گئی، سورج سر پر آ گیا۔ تو ابھی تک حجرے سے باہر نہیں نکلی۔

انارکلی۔ (اوپر سے سرک کر) ابھی باہر نہ جاؤں گی۔

ماں۔ وہ کیوں؟

انارکلی۔ یونہی اماں! (عاجزی سے) ابھی نہیں۔

ماں (حیرانی سے) کوئی وجہ بھی۔

انارکلی۔ کچھ نہیں (توقف کے بعد) میرا جی گھبراتا ہے روشنی سے۔

ماں (تشویش سے) اے عجب جی ہے تیرا تو کیا اب رات کو باہر نکلا کریگی؟ میں کہتی ہوں۔ تیرا یہ حال کیا ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ جانے کچھ عجب ہی ہے میری سمجھ میں تو آتا نہیں میں تو مہارانی سے کہہ کر کسی حکیم کو بلواتی ہوں۔

انارکلی۔ (فکرمندی سے) نہیں اماں حکیم کیوں۔ اچھی خاصی تو ہوں۔

ماں۔ کیسے نہیں حکیم۔ ایسے ہوا کرتے ہیں اچھے خاصے؟

انارکلی۔ (ذرا دیر چپ کھڑی سوچتی رہتی ہے) مہارانی ہی سے کہتی ہو تو ایک اور بات کہہ دو اماں!

ماں۔ کیا؟

انارکلی۔ (تامل کے بعد) مجھے یہاں سے کہیں بھجوا دو۔

ماں۔ اے وہ کیوں؟

انارکلی۔ اس محل میں زندہ نہ بچونگی۔ اسکی دیواریں ہر وقت میری طرف بڑھتی آ رہی ہیں۔ کسی روز ٹکرائیں گی اور مجھ کو پیس ڈالیں گی۔

ماں۔ (سراسیمہ ہو جاتی ہے) نا درہ! خدا کیلئے کیسی باتیں کرتی ہے بچی۔ میرا تو دل ہول کھاتا ہے۔

انار کلی۔ (مایوسی سے) پھر نہیں بھجوا سکیں گی اماں؟

ماں۔ (کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہے) کیسے بھجوا دوں بیٹی؟ بھلا کیوں کر اور پھر کون ہے میرا تیس کے پاس بھجوا دوں۔

انار کلی۔ (لجاجت سے) اماں کہیں، کسی جگہ۔ جنگل ہی میں چھوڑ دیں۔ یہاں سے لے جائیں۔

ماں۔ (خوف زدہ ہو کر) تشویشناک نظروں سے بیٹی کو دیکھ رہی ہے) نادرہ! تجھے کیا ہو گیا ہے۔

انار کلی۔ کچھ نہیں اماں (چپ ہو جاتی ہے) مجھے گلے لگا لو (ماں پاگلوں کی طرح اس کا منہ تک رہی ہے) گلے بھی نہ لگاؤ گی اماں؟

ماں۔ بیٹی میں تو تجھے دل میں بٹھاؤں۔ پر مجھے تو ڈر لگتا ہے (انار کلی بچوں کی طرح ہاتھ بڑھا دیتی ہے۔ ماں گلے لگا لیتی ہے۔ انار کلی اس سے چمٹ جاتی ہے) (ثریا بھاگتی آتی ہے)

ثریا۔ (ہانپتے ہوئے) ثریا۔

انار کلی۔ (یک لخت ماں سے الگ ہو کر) ثریا؟

ثریا۔ (ماں کو دیکھ کر) کچھ نہیں آپا!

ماں۔ (ثریا کو ہانپتا دیکھ کر) ثریا کیسے آئی؟

ثریا۔ کیسے؟ (ٹالنے کو) بھاگ کر آئی ہوں۔

ماں۔ پگلی کہیں کی۔

انار کلی۔ (پر معنی استفسار کے انداز میں) ثریا؟

ثریا۔ (اطمینان بخش انداز میں) جی آپا۔ آؤ نہ باہر چلیں۔ تمہیں باغ میں لے جانے کو آئی ہوں۔

ماں۔ ہاں ننھی اسے لیجا کہیں۔ تو ہی لیجائے گی اور بچی میں تو آج مہارانی سے مشورہ کرتی ہوں اور نہیں تو۔ کل کلاں کو کچھ ہو گیا۔ تو میں کس کی ماں کو ماں کہہ کر پکاروں گی۔

(گھبرا کر رخصت ہوتی ہے۔ دروازے کے قریب جا کر رکتی ہے اور سہ دری کے تمام دروازوں کے پردے کھول دیتی ہے)۔

ثریا۔ (بڑی بے تابی سے اس کے جانے کی منتظر ہے۔ نظروں سے اوجھل ہوتے ہی پھٹ پڑتی ہے) آپا! آپا!! صاحب عالم نے کہا ہے کہ کچھ نہیں ہوگا۔ سب ٹھیک ہوگیا۔ اب کچھ ڈر نہیں آپا! میری آپا!! (انارکلی سے لپٹ جاتی ہے)

انارکلی۔ (اسے الگ کرتے ہوئے) کیسے ثریا؟

ثریا۔ انھیں دلارام کی اتنی بڑی بات معلوم ہوگئی کہ اب وہ کچھ کہنے کی جرأت نہ کرے گی۔

انارکلی۔ کیا بات؟

ثریا۔ دلآرام صاحب عالم پر مرتی ہے۔

انارکلی۔ ہا! (سامنے دیکھتی رہ جاتی ہے)۔

ثریا۔ (انارکلی کو کھینچ کر پاس تخت پر بٹھاتی ہے) صاحب عالم نے جو دلارام سے کل رات کی بات چھپانے کو کہا۔ تو اس نے صاحب عالم پر محبت ظاہر کی! ڈیوڑھی میں صاحب عالم کے دوست بختیار موجود تھے۔ انہوں نے سن لیا۔ اور اندر آ گئے۔ بس پھر تو دلآرام کے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

انارکلی۔ (سوچتے ہوئے) دلارام اب کچھ نہیں کہہ سکتی؟

ثریا۔ تو اب صاحب عالم بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ دلارام نے جلن کے مارے الزام گھڑا ہے۔ جی ہاں!

(انارکلی اثبات میں سر ہلا کر چپ ہو جاتی ہے)

اب کاہے کا ڈر آپا۔ آہا (اٹھ کر خوشی کے مارے ناچنے لگتی ہے)۔

انارکلی۔ دلارام صاحب عالم کو چاہتی ہے۔

ثریا۔ (ناچتے ناچتے رک کر) اور صاحب عالم اس کی صورت سے بیزار ہیں۔ آہا!

(پھر ناچنے لگتی ہے)

انارکلی۔ (سوچتے ہوئے) دلارام اب کیا کرے گی؟
ثریا۔ صاحب عالم کی زبان بند رکھنے کو انھیں خوش کرے گی۔
انارکلی۔ ہوں!
ثریا۔ (انارکلی کو گدگدا کر) اب تو وہ خود تمہاری اور صاحب عالم کی ملاقاتیں کرائیگی۔
انارکلی۔ (گھبرا کر) نہیں نہیں..........
ثریا۔ (سہ دری کی طرف دیکھ کر) چپ چپ آپا چپ۔ دلارام (دونوں باہر کو تکنے لگتی ہیں)۔
انارکلی۔ (انارکلی گھبرا کر کھڑی ہو جاتی ہے) مجھ سے نہ ملا جائیگا۔ (جانا چاہتی ہے)
ثریا۔ کہاں جاؤگی اور پھر کب تک۔ اب تو وہ خود دبی ہوئی ہے۔ تم کیوں گھبراتی ہو اور میں جو ہوں۔
(انارکلی پریشانی کے عالم میں کھڑی ہے۔ کہ دلارام آجاتی ہے۔ بہت مغموم اور افسردہ ہے۔ ثریا کو دیکھکر ٹھٹکتی ہے۔ ذرا دیر تینوں خاموش اور بےچین سی رہتی ہیں)۔
دلارام۔ (آخر ہمت کر کے) انارکلی! (انارکلی کو دلارام سے آنکھیں چار کرنے کی جرأت نہیں پڑتی) میں تم سے معافی مانگنے آئی ہوں۔
ثریا۔ (چمک کر) معافی کیسی؟
دلارام۔ (تامل سے) کہ میں کل رات باغ میں آگئی تھی۔
ثریا۔ (طنز سے) اور کوئی تم سے بھی معافی چاہتا ہے۔ انارکلی ثریا کو اشارے سے روکنے کی کوشش کرتی ہے۔
دلارام۔ کون؟
انارکلی۔ (تنبیہ کے انداز میں) ثریا!
ثریا۔ (پروا نہ کرتے ہوئے) بختیار۔ جو ڈیوڑھی میں سے صاحب عالم کے پاس آگئے تھے۔
دلارام۔ (معلوم نہ تھا کہ ثریا اس دوران میں سلیم سے مل چکی ہے گھبرا سی جاتی ہے) تو تمہیں معلوم ہو چکا۔ میں یہی بتانے کو آئی تھی۔ یہی سب (سمجھ میں نہیں آتا کہ

کیا کہیے) میں تم کو اپنے متعلق اطمینان دلانے آئی تھی (توقف) انارکلی تمہیں یہ بتانے کیفرورت نہیں، کہ محبت کیسی بے پناہ چیز ہے۔ مجھے بھی سلیم سے محبت تھی۔ میں.....

ثریا۔ (شمانت سے) صاحب عالم کہو جی۔

دلآرام۔ (قطع کلام سے روانی جاتی رہتی ہے) تو وہ۔ وہاں مجھے محبت تھی۔ اور تم یہ بھی جانتی ہو۔ ایک بے بس ناچیز کنیز کی محبت کتنی دردبھری ہوتی ہے۔

(انارکلی بے اختیار ہو کر آہ بھرتی ہے)

میں اسی محبت سے بیتاب تھی اور چاہتی تھی۔ (ثریا سے نظر ملتی ہے وہ بھویں چڑھائے مضحکہ انگیز شمانت سے باتیں سن رہی ہے) مگر ثریا یہاں موجود ہے

ثریا۔ (کڑک کر) کیوں؟ میں تمہیں کاٹتی ہوں کیا۔ تم کہو مجھے سب معلوم ہے۔

دلارام۔ (تامل کے بعد) میں اتفاقاً رات کو باغ میں پہنچ گئی۔ مجھے بالکل امید نہ تھی تم وہاں ہو۔ میں اسوقت فارغ تھی اپنی دکھ بھری سوچ میں یوں ہی اُدھر چلی گئی۔ مجھے شبہ بھی ہوتا کہ صاحب عالم اور تم وہاں موجود ہو تو انارکلی یقین مانو، میں کبھی ادھر نہ آتی۔

(دلارام کے سامنے ہو کر اور کمر پہ ہاتھ رکھ کر) اور جناب کو شاید یاد نہیں رہا کہ آپ دو مرتبہ باغ میں تشریف لائی تھیں۔ آپ نے جو کچھ کہا وہ سچ ہوتا اگر آپ وہاں دوبارہ آنے کی تکلیف گوارہ نہ فرماتیں۔

دلارام۔ ہاں۔ ہاں میں دوبارہ بھی آئی تھی۔ (تامل کے بعد) اگر تم اسی پہ تلی ہو کہ میری معذرت پر یقین نہ کرو۔ ایک کم نصیب کی ناکامیوں کو برہنہ دیکھو۔ تو آؤ پھر سچ ہی سنو۔ اب رہا کیا۔ جو میں چھپاؤں۔ میں سب کچھ صاف صاف کہے دیتی ہوں۔

ثریا۔ ورنہ تمہیں معلوم ہے کہ میں کیا کچھ جانتی ہوں۔

دلارام۔ (کچھ دیر سر جھکائے خاموش رہتی ہے۔ آخر سر اٹھا کر) مجھے سلیم سے......

ثریا۔ (انگلی اٹھا کر) صاحب عالم۔

دلآرام۔ ...... عشق تھا وہ جب کبھی حرم میں آتے یا باغ میں جاتے۔ میں سائے کی طرح انکے پیچھے پیچھے رہتی، جب تک نظر آتے، ستونوں کے پیچھے سے پیڑوں کی آڑ میں سے انہیں تکا کرتی۔ ایک کنیز جسے محبت نے دیوانہ بنا رکھا ہو۔ اسکے سوا اور کر بھی کیا سکتی ہے ..... رات وہ چھپتے چھپاتے باغ میں جا رہے تھے کہ فوارے کے پاس میں نے ان کی پرچھائیں دیکھ لیں۔ اور بیتاب ہو کر انکے پیچھے چل کھڑی ہوئی۔ وہ درختوں کے سائے میں غائب ہوگئے۔ مگر میرے سینے میں بےچین تمناؤں کا ایک طوفان چھوڑ گئے۔ میں نے انہیں ہر جگہ ڈھونڈا باغ کا گوشہ گوشہ دیکھ ڈالا۔ اور آخر وہاں پہنچ گئی جہاں انارکلی تم بیٹھی تھیں۔

ثریا۔ اور دوسری بار۔

دلآرام۔ میں نے تمہیں دیکھا انارکلی! تو نہ جانے کیوں آپ سے آپ مجھے یقین ہو گیا کہ جسے تو چاہتی ہے وہ اسے چاہنے باغ میں آیا ہے۔ صاحب عالم وہاں نہ تھے پر مجھ کو یقین تھا کہ وہ تم سے ملنے وہاں آئے تھے۔ میں سچ کہونگی۔ میں بیتاب ہوگئی۔ شعلے میرے دل سے اٹھ اٹھ کر دماغ تک پہنچنے لگے۔ میں وہاں سے ٹل گئی۔ اور دیوانوں کی طرح روشوں پر پھرتی رہی۔ میں سوچ رہی تھی اور کوئی آواز میرے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھی کہ وہیں جا جہاں انارکلی بیٹھی ہے مجھ سے اس آواز کا مقابلہ نہ کیا گیا میں گئی اور میں نے ان کو جنہیں میں چاہتی تھی اور تم کو جسے وہ چاہتے ہیں، اکٹھے دیکھ لیا (غم سے سر جھکا لیتی ہے)

انارکلی۔ (متاثر ہو کر) دلآرام!

دلآرام۔ انارکلی تمہاری محبت کامیاب ہے، تمہیں کیا معلوم جس کے سے آپ محبت ہو اسے اپنے سے بے پروا اور دوسرے سے محبت کرتے دیکھ کر کیسا کچھ دکھ ہوتا ہے اور میں کمزور عورت ہوں۔ میں تمام رات کھلی آنکھیں لئے بستر پر پڑی رہی اور رات کے طویل گھنٹوں میں نامرادی میرے کانوں میں ڈراؤنی سائیں سائیں کیا کی اور آج صبح جب صاحب عالم نے مجھے طلب کیا تو میری مرتی ہوئی امید نے آخری

سنبھالا لیا۔ میرے دل نے کہا اگر ایک شہزادہ ایک کنیز سے محبت کر سکتا ہے۔ تو ایک دوسری بدنصیب کنیز بھی ایک مرتبہ اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ سکتی ہے جو محبت اندر ہی اندر مجھے پھونک رہی تھی میری زبان پر آگئی۔

انارکلی۔ آہ!

دلارام۔ (نمناک انداز میں سر ہلا کر) لیکن میرے لئے کوئی امید نہیں۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے میری تقدیر میں محرومی کے سوا کچھ نہیں۔ تم اگر صاحب عالم کو نہ بھی چاہو۔ جب بھی کوئی امید نہیں۔ وہ تمہیں دیوانہ وار چاہتے ہیں۔ تم خوش قسمت ہو انارکلی! وہ تمہیں چاہتے ہیں اور مجھے نہیں چاہ سکتے۔ میں اب شاکر ہوں۔ میں نے اپنی تمناؤں کا گلا گھونٹ دیا۔ میرے دل میں اب حسد کا نام بھی نہیں رہا۔ اب میری واحد خوشی ہے میں اپنے محبوب کی محبوبہ کو چاہوں اسی میں اطمینان ہے اسی میں راحت ہے انارکلی بہن۔ میرے قصور بخش دو (کم نصیب سمجھ کر بخشنے والی ہوئی رقیب سمجھ کر بخشدو (گھٹنوں کے بل ہو کر انارکلی کا دامن پکڑ لیتی ہے))

انارکلی۔ آہ بہن! میں کیا کروں؟

دلارام۔ میرا اطمینان کر دو۔ تم نے مجھے بخش دیا۔

(انارکلی دلارام کو اٹھاتی ہے اور گلے لگا لیتی ہے)۔

میرا شرمندہ چہرہ اور مجرم دل تمہاری نظر میں برداشت نہیں کر سکتا۔ میں جاتی ہوں۔ (چلتی ہے)۔

ثریا۔ (جو انارکلی کو متاثر ہوتے دیکھ کر اس دوران میں بڑی بیقرار رہی ہے۔ یک لخت دلارام کا راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے) ٹھہرو دلارام! میں انارکلی سے چھوٹی مگر اتنی سیدھی نہیں۔ میں تمہیں خوب جانتی ہوں مدت سے جانتی ہوں دلارام تم آپا کو باتوں میں لے آئے لیکن یاد رکھنا۔ انارکلی کے ساتھ تمہیں مجھ سے بھی نپٹنا ہوگا اور اگر تم شعلہ ہو تو میں بجلی ہوں۔ اگر مجھے شبہ ہوا بھی۔ تم کوئی

چال چل رہی ہو کسی ادھیڑ پن میں لگی ہو تو تم جانتی ہو مجھے کیا کچھ معلوم ہے۔ یہ بجلی تمہیں پھونک کر راکھ کر دے گی۔

دلارام۔ (منظور ی کے انداز میں) انارکلی! بہن!

انارکلی۔ (بگڑ کر) ثریا۔

ثریا۔ آپا —— "

(دلارام رخصت ہوتی ہے۔ ثریا غصے میں اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے انارکلی اسے تکتی رہ جاتی ہے)۔ "پردہ"

منظر سوم

قلعہ لاہور میں سفید پتھر سے بنا ہوا ایک بلند مگر نہایت سادہ و دلکش ایوان جسے دیکھنے سے دماغ پر ایک فرحت افزا خاموشی اور خنکی کا سا اثر ہوتا ہے۔

اکبر ایک مسند پر آنکھیں بند کئے اور پیشانی پر ہاتھ اٹھا رکھے چپ چاپ لیٹا ہے معلوم ہوتا ہے کہ سخت ذہنی محنت کے بعد اس کا دماغ تھک گیا ہے اور وہ اب بالکل خالی الذہن ہو کر اپنے مضمحل اعصاب کو آرام پہنچانا چاہتا ہے۔

مہارانی پاس بیٹھی ہے، سامنے کنیزیں رقص کر رہی ہیں۔ مہارانی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے کچھ سوچ رہی ہے۔

اکبر ایک دو مرتبہ آنکھیں کھول کر یوں کنیزوں کی طرف دیکھتا ہے گویا ان کا رقص اسے تکلیف پہنچا رہا ہے، آخر ہاتھ اٹھاتا ہے اور کنیزیں جہاں ہیں وہیں ساکت ہو جاتی ہیں۔

مہارانی۔ (خاموشی سے چونک کر اکبر کو دیکھتی ہے) ——— مہاراج؟

اکبر۔ (منہ موڑتے ہوئے کنیزوں سے) جاؤ

(کنیزیں رخصت ہو جاتی ہیں)۔

مہارانی۔ کیوں مہابلی؟

اکبر (آنکھیں بند کئے ہوئے) راحت نہیں، ان کے رقص کے قدم میرے تھکے ہوئے دماغ کو صدمہ پہنچاتے ہیں۔

مہارانی۔ پھر اتنی محنت کیوں کیا کرتے ہیں مہاراج؟

اکبر (آنکھیں کھول کر چپ چاپ پڑا کچھ دیر سامنے تکتا ہے اور پھر سکون سے) شہنشاہ ہوں رانی۔

مہارانی ——— اور پھر بھی۔

اکبر (پر معنی انداز میں) کس کا قیاس جرأت کر سکتا ہے کیا چاہتا ہوں۔

مہارانی۔ سبوک جو موجود ہیں۔

اکبر (طنز کے خفیف تبسم سے) سیوکوں نے کتنے بادشاہوں کو اکبر اعظم بنا دیا۔

مہارانی۔ نورتن اتنے بے حقیقت ہیں۔

اکبر۔ (سکون سے) اگر ان کو اکبر کے خواب ہدایت نہ دیں۔

مہارانی۔ خواب؟

اکبر (خواب ناک نظروں سے سامنے کہیں دور تکتے ہوئے) میری فوجیں، میری سیاست میرے نورتن، میرے خوابوں کے پیچھے آوارہ ہیں۔ کون میری طرح ایکن کے خواب دیکھ سکتا ہے؟ کون میری طرح اپنے خوابوں کو حقیقت سمجھ سکتا ہے ...... میری عظمت میرے خواب ہیں رانی!

مہارانی۔ آپ کی عظمت؟

اکبر۔ اور ابھی تک ہندوستان ایک مسکین کتے کی طرح میرے تلوے چاٹ رہا ہے مگر ابھی تک میری زندگی کا سب سے بڑا خواب اَن دیکھا پڑا ہے اور میں اسے جنم دینے کا عزم اپنے میں نہیں پاتا۔

مہارانی۔ خواب کا جنم؟ کیا کہہ رہے ہیں مہابلی۔

اکبر۔ انسان کے جنم سے بہت زیادہ عزم چاہتا ہے رانی اور میں بہت تھک گیا ہوں اور اکیلا ہوں ..... شیخو ...... کاش شیخو ......

مہارانی۔ (اکبر کا منہ تکتے ہوئے) شیخو؟

اکبر۔ اپنے اجداد سے مختلف نہ ہو...... تورانی ...... مغل ......

مہارانی۔ مغل کیا؟

اکبر۔ (آہستہ سے) لیکن ابھی کون جان سکتا ہے اور کون کہہ سکتا ہے (کسی قدر بیتاب ہو کر) مغلوں میں کوئی خواب دیکھنے والا نہ تھا۔ انہیں اکبر مل گیا۔ اگر اکبر کے جانشینوں میں تیمور کی طوفانی روح۔ بابر کی حیرت انگیز معلومات اور ہمایوں ہے شیخو! ...... (رک کر) ہاں زمین مسرت سے تسخیر کر رہ جائے اور قرن اور صدیاں اس کے سینے سے مغل علم کو نہ اکھاڑ سکیں۔

مہارانی۔ (مناسب جواب کی کوشش میں) شیخو آپ کا موزوں جانشین ہوگا۔

اکبر۔ (گرم ہو کر) اگر اس کا یقین ہو جاتا تو میں اپنے دماغ کا آخری ذرہ تک خواب میں تبدیل کر دیتا۔ لیکن میری تمام امیدوں سے وہ اتنا بے التفات ہے اتنا بے نیاز ہے کہ میں ..... لیکن میرا سب کچھ وہی ہے میں نہیں کہہ سکتا مجھے کتنا عزیز ہے۔ کاش وہ میرے خوابوں کو سمجھے۔ ان پر ایمان لے آئے اسے معلوم ہو جائے اسکے فکر مند باپ نے اس کی ذات سے کیا کیا ارمان وابستہ کر رکھے ہیں۔ وہ اپنی موت کے بعد اس میں زندہ رہنے کا کتنا مشتاق ہے ..... (سوچتے ہوئے) لیکن ابھی کیا معلوم ......؟

مہارانی۔ ابھی بچہ ہی تو ہے۔

اکبر۔ (فہمائش آمیز متانت سے) ہماری محبت دیوانی نہیں کہ اس کا سن و سال بھول جائے اور ہم جانتے ہیں۔ تم بھی اسے یقین دلاؤ کہ فی الحال وہ ایک بے پروا نوجوان کے سوا کچھ نہیں۔

مہارانی۔ مگر وہ اپنے ہم عمروں سے کچھ بہت مختلف تو نہیں ہے۔

اکبر۔ (کسی قدر برافروختہ ہو کر) یہ تم مجھ سے کہہ رہی ہو؟ اکبر سے؟ جو اس عمر میں ایک سلطنت کا بوجھ اپنے کمسن کندھوں پر اٹھا چکا تھا۔ جس نے دنیا کا

بے باک نظروں کو جھکنا سکھادیا تھا جو اس عمر میں مفتوح ہند کو متحد کرنے کے دشوار مسائل میں منہمک تھا۔ ہاں جو اس عمر میں خواب تک دیکھتا وہ کر دکھاتا۔ (اُٹھ کھڑا ہوتا ہے) تم ماں ہو صرف ماں! (جانا چاہتا ہے)۔

مہارانی۔ آپ بہت تھک چکے ہیں ابھی آرام فرمایئے۔

اکبر۔ کوئی رقص لاؤ۔ کوئی موسیقی۔ نرم۔ نازک۔ خوش آیند (بیٹھ جاتا ہے) انارکلی کہاں ہے؟ اسکو بلاؤ۔ وہ تھکے ہوئے دماغ کو ٹھنڈک پہنچانا جانتی ہے۔

مہارانی۔ انارکلی بیمار ہے مہاراج! اور اسکی ماں چاہتی ہے۔ آپ کی اجازت ہو تو اسے تھوڑے عرصے کو تبدیل آب و ہوا کیلئے کسی دوسرے شہر کو بھیجدیا جائے۔

اکبر۔ (نیم دراز ہوتے ہوئے) حکیم نے اسے دیکھا؟

مہارانی۔ کچھ تشخیص نہ کرسکا۔ لیکن خود انارکلی سمجھتی ہے۔ آب و ہوا کی تبدیلی اسکے لئے مفید ہوگی۔

اکبر۔ (بے پروائی سے) تم کو اعتراض نہیں تو اس کو اجازت ہے۔

مہارانی۔ لیکن حرم سرا کے جشن میں تھوڑے دن رہ گئے ہیں اور انارکلی کے بنا جشن سونا رہیگا۔

اکبر۔ (کروٹ لیتے ہوئے) پھر مت جانے دو۔

مہارانی۔ دباؤ ڈالنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

اکبر۔ زبردستی کیوں ظاہر ہو۔ جشن تک اسکو علاج کے بہانے سے ٹھہرالیا جائے اور جشن میں شامل کرنے کے بعد رخصت دے دی جائے۔

مہارانی۔ لیکن وہ جشن کا اہتمام کیسے کرسکے گی؟

اکبر۔ صرف رقص و سرود .... انتظام کسی دوسرے کے سپرد ہو۔

مہارانی۔ دلارام!

اکبر۔ ہاں کہاں ہے وہ؟ اسکو بلاؤ۔ اس کا گیت ہمارے دماغ کو تازگی بخشنے لگا۔ (رانی تالی بجاتی ہے) (ایک خواجہ سرا حاضر ہو کر دست بستہ کھڑا ہوجاتا ہے)۔

مہارانی۔ دلارام!

(خواجہ سرا رخصت ہو جاتا ہے)

جشن کے متعلق کوئی ہدایت؟

اکبر۔ (کسیقدر چڑھ کر) ہمارا نورتن کو ہدایت دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مہارانی۔ جشن میں شطرنج کھیلیں گے آپ؟

اکبر۔ کون کھیلے گا ہم سے؟

مہارانی۔ میں سلیم سے کہوں گی۔

اکبر۔ اور اگر وہ جیت گیا تو ہم کو خوشی ہو گی۔

(دلارام حاضر ہو کر مجرا بجا لاتی ہے)

مہارانی۔ دلارام! حرم سرا کے جشن کا اہتمام انارکلی کے بجائے تجھے کرنا ہو گا۔

دلارام۔ بسر و چشم

مہارانی۔ اور انارکلی صرف رقص و سرود ہی کے لئے شریک ہو گی۔

دلارام۔ بہت بہتر۔

مہارانی۔ تو جانتی ہے جشن کے لئے کیا کچھ کرنا ہو گا۔

دلارام۔ حضور میں پہلے کئی جشنوں کا اہتمام کر چکی ہوں۔

مہارانی۔ اور دیکھ مہابلی سلیم سے شطرنج کھیلیں گے۔

دلارام۔ (کسیقدر چونک کر) صاحب عالم سے!

مہارانی۔ ہاں!

(دلارام کے دماغ میں سلیم اور انارکلی کے خیالات اس قدر گھومتے رہے ہیں کہ وہ سن کر سوچ میں کھوئی سی جاتی ہے۔)

جشن شیش محل میں ہو گا اور روشنی ——— تو سن رہی ہے؟

دلارام۔ (چونک کر) صاحب عالم!

مہارانی۔ پگلی! کیا صاحب عالم؟

(اکبر آنکھ کھول کر دلارام کی طرف دیکھتا ہے)

دلارام۔ صاحب عالم علیل تھے مہارانی؟

اکبر۔ نہیں وہ شریک ہوگا۔

مہارانی۔ سُنا جشن شیش محل میں ہوگا اور روشنی ....

اکبر۔ اب بس! پہلے کوئی گیت۔ سیدھا سادا اور میٹھا۔ مگر آواز دھیمی اور نرم گرم اور زخمی دماغ کو ایک ٹھنڈا مرہم چاہیئے۔ رقص ہلکا پھلکا، گھنگھروں کا شور نہ ہو۔ بہت چکر نہ ہوں۔ پاؤں آہستہ آہستہ زمین پر پڑیں۔ جیسے پھول برس رہے ہیں۔ برف کے گالے زمین پر اُتر رہے ہیں لیکن خمار نہ ہو نیند نہ آئے ہمیں پھر مصروف ہونا ہے۔

(دلارام رقص شروع کرتی ہے۔ مگر رقص کے دوران میں بھی وہ سوچ میں ہے، اور ذہنی مصروفیت کے باعث اس کے رقص میں نقص نظر آ رہے ہیں)

اکبر۔ (اٹھ کھڑا ہوتا ہے) کچھ نہیں کسی کو نہیں آتا۔ کوئی نہیں جانتا —— اور انارکلی علیل ہے۔

(اکبر اور پیچھے پیچھے مہارانی جاتی ہیں)

دلارام۔ (جیسے سوچ میں سن کھڑی رہ جاتی ہے) انارکلی ہوگی...... سلیم ہوگا... اور اکبر بھی..... کاش اگر اکبر دیکھ سکتا..... کاش اگر میں اکبر کو اس کی آنکھوں سے دکھا سکتی.......آہ! پر یہ ضرور ہوگا۔ اور جشن ہی کے روز ..... دو تارے...... وہی دو تارے...... مگر ایک دہکتا ہوا اور جگمگاتا ہوا...... اور دوسرا ٹوٹ کر بجھا ہوا..... اور کون جانے!....."

(آہستہ سے زمین پر بیٹھ جاتی ہے اور سر جھکا کر ایک گہری سوچ میں کھوئی جاتی ہے۔)

"پردہ"

منظر چہارم

قلعہ لاہور کے شیش محل میں جشن نوروز:۔

جشنِ نوروز کی تقریب میں یوں تو تمام شہر اور قلعہ جاہ و جلال مغلیہ کا آئینہ بردار بنا ہوا ہے اور جس طرف بھی نظر اٹھتی ہے بہار کے خود فراموش عیش و تنعم کے آغوش میں متوالے نظر آتے ہیں لیکن حرم سرائے شاہی میں تجمل و شوکت کیساتھ رونق اور چہل پہل کا ایسا دلآویز ہنگامہ ہے جسکی تابانی و درخشانی آنکھیں خیرہ کئے دیتی ہے۔ زربفت و کمخواب نے در و دیوار میں ایک آگ سی لگا رکھی ہے۔ ایران و ترکستان کے رنگا رنگ قالینوں نے زمین کو گلزار بنا دیا ہے۔ دروازوں پر چین و ماچین کے خوش نگار پردے کسی طلسم کی رازداری کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ جھاڑ فانوس قمقموں اور قندیلوں سے وسیع ایوانوں کی چھتیں دنیائے شعر کا آسمان نظر آ رہی ہیں۔

حرم سرا کے وسیع صحن میں دن کا وہ ہنگامہ تو نہیں رہا۔ جو تولادان اور دوسری رسموں کے وقت برپا تھا۔ تاہم گہما گہمی کا اب بھی عجیب عالم ہے۔ نادر کار آتشبازوں کی ہنرمندی کے نئے نئے نمونے جمع ہیں۔ تماشہ دکھانے میں صرف ظل الٰہی کے باہر آنے کا انتظار ہے۔ سفر ہیں باری باری ظل الٰہی کے برآمد ہونے کی خبریں لا رہے ہیں جو کوئی اندر سے آتا ہے اس کے گرد ایک ہجوم جمع ہو جاتا ہے۔ زہرہ جمال بیگمیں اور شہزادیاں ہلکے ہلکے رنگوں کی خوش وضع شلواروں پر جھلمل جھلمل کرتی پشوازیں پہنے بیش قیمت جواہرات سجائے کوئی شبنم کا دوپٹہ اوڑھے کوئی سر پر کلغی دار بانکی پگڑی رکھے باغ ارم کی تیتریاں معلوم ہو رہی ہیں۔ بہت سی انتظار میں بیقرار کھڑی ہیں جو تھک چکی ہیں وہ بیٹھ گئی ہیں۔ کوئی ٹولی آپس میں ہاتھ پکڑے ٹھمک چلی آ رہی ہے کوئی ٹکڑی سے کبھی ہجوم میں بیٹھی قہقہے اڑا رہی ہے۔ کہیں پہیلیاں کہہ مکرنیاں کہی جا رہی ہیں۔ کوئی بیٹھی اڑتی اڑتی خبریں اور لطیفے سنا رہی ہیں۔ کہیں سوانگ بھرا جا رہا ہے۔ دیکھنے والیوں کا ٹھٹ لگ رہا ہے کسی جگہ ناچ رنگ کی محفل برپا ہے، ڈھولک، ستار، طنبورہ اور طبلہ کھڑک رہا ہے۔ کسی جگہ شام کی ریتیں اور رسمیں ادا ہو رہی ہیں۔ نیاز دی جا رہی ہے۔

حصے تقسیم کئے جا رہے ہیں۔ آؤ ملے جاؤ کا غل مچ رہا ہے۔ حبشنیاں اور ترکنیاں اور قلماقنیاں اپنے اپنے شوخ رنگ لباسوں کی وجہ سے امتیاز کی جا سکتی ہیں کنیزیں ترت ترت آ جا رہی ہیں خواجہ سرا ادھر سے اُدھر بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں کوئی کسی کو بلا رہا ہے کوئی اسے پکار رہا ہے کوئی خوان اٹھائے لئے جا رہا ہے کوئی پان الائچی بانٹ رہا ہے۔ کوئی مہمان بیگموں کو شربت پلا رہا ہے اندر بچوں اور بچے والیوں نے غل مچا رکھا ہے۔ باہر شادیانوں نے تمام قلعہ سر پر اٹھا رکھا ہے۔

لیکن اس ہنگامے کی آوازیں اندر شیش محل کے ایوان خاص تک نہیں پہنچتیں وہاں اگر کوئی آواز ہے تو سرنائیوں اور شہنائیوں کی جو اتنے محتاط فاصلے پر بجائی جا رہی ہیں کہ ان کے نشاط بخش نغمے خوش آیند نور کی طرح ایوان میں پہنچ رہے ہیں۔ جگہ جگہ نئی وضع کے یک شاخوں دو شاخوں اور فانوسوں میں لمبی لمبی کوئی سیدھی کوئی بل کھاتی ہوئی سفید اور رنگین کافوری شمعیں روشن ہیں زرین و سیمیں مجمروں میں سے عود و عنبر اور روح افزا کے نکہت بیز بادل اٹھ رہے ہیں اور آئینوں میں روشنیاں منعکس ہونے سے جو چکا چوند پیدا ہو رہی ہے اس میں مل جل کر تمام ایوان پر عالم خواب کی سی کیفیت طاری کر رہے ہیں۔

یہاں اکبر ایوان کے پرے کونے میں ایک مرصع تخت پر جو تین سیڑھیاں اونچا ہے زریں تکیوں کے سہارے نیم دراز ہے، ملتجے پر تکیہ ہے لباس سادہ مگر جواہرات انمول دوسری طرف سلیم پُر تکلف لباس پہنے سج دھج نکالے گلزار شباب کا نو شگفتہ پھول ایک نسبتاً نیچے پر خوزانوں بیٹھا ہے۔ اکبر کے دائیں ہاتھ ایک تخت پر رانی بیٹھی ہے۔ بائیں ہاتھ ایک نیچے سے تخت پر ہالائیں۔ دوشالے دوپٹے اور دوسرے بیش قیمت تحفے سلیقے سے چنے ہوئے ہیں۔ اِدھر اُدھر بیگمیں اور شہزادیاں چوکیوں اور فرش پر مودب بیٹھی ہیں ان کے پیچھے ترکنیاں اور قلماقنیاں سونے اور روپے کے عصا ہاتھ میں لئے کر بت بنی کھڑی ہیں۔

یہاں اکبر اعظم سلیم سے شطرنج کھیل رہا ہے۔ ایوان کے فرش پر بساط بچھی ہوئی ہے جس پر نوجوان اور حسین کنیزیں مہرے بنکر کھڑی ہیں اور اپنے مہرے کے لباس سے شناخت کی جاسکتی ہیں جو کنیز جس کا مہرہ بنی ہوئی ہے اس پر نظر جمائے اس کا دماغ اس کھیل سے کہیں زیادہ اہم کھیل کی چالیں سوچنے میں منہمک ہے۔

اکبر۔ تم نے ہمارا فرزیں لے لیا ۔۔ فرزیں لے لیا ہمارا ۔۔ بہت خوب!۔ پھر اب تمہیں مات بھی لینی ہوگی ۔۔ سنا شیخو! ۔۔ اب تمہیں ۔۔ مات بھی لینی ہوگی ۔۔ ہے! پیدل کی گشت!

(جو کنیزیں پیدل بنی ہوئی ہیں۔ اشارہ پاتے ہی چھن چھن کرتی چلتی ہیں اور ان کے خانے میں جا کھڑی ہوتی ہیں)

سلیم (مسکرا کر) ظلِ الٰہی اب بازی ہوگئی آپ کو۔ میں شاہ کو آگے ہی بڑھ کر بچا۔

(جو کنیز شاہ بنی ہوئی ہے حکم کی تکمیل میں حرکت کرتی ہے)

اکبر۔ ہوں! تو اب تم ہمارے چنگل سے نہیں نکل سکتے۔ اسپ شاہ کے سامنے

(اسپ اس خانے میں جاتا ہے۔ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے)

دیکھا شیخو پیدل پر زور پہنچا اور تمہارے وزیر کو بھی ہلنا پڑا۔

سلیم۔ ظلِ الٰہی۔ میرا مات کا نقشہ اور صاف ہو گیا۔ فرزیں پیچھے تیسرا خانہ

(فرزیں پچھلے تیسرے خانے میں جاتا ہے)

اکبر۔ (مسکراتے ہوئے) ہم سمجھتے ہیں تم کس فکر میں ہو ۔۔ فیل کنارے کا تیسرا خانہ۔

سلیم۔ رخ پر! یہ رخ مرنے کو تو بیٹھے گا۔ یہ مات دینے جا رہا ہے۔ کونے کا خانہ! (سلیم یہ سمجھ کر کہ اب اکبر کے لئے مات بچانا ناممکن ہے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے) ظلِ الٰہی! بازی ہوگئی۔

اکبر۔ شیخو! جب خود چال چلو۔ تو اس کے ساتھ دوسرے کی چال کا

بھی خیال رکھا کرو۔ ادھر دیکھو! فیل کشت! مات! (سلیم اس غیر متوقع چال پر حیرت کے عالم میں تخت پر بیٹھ جاتا ہے) اب اچھنبے نہ پڑو۔ افسوس نہ کرو۔ ہم خوش ہیں کہ تمہارا کھیل ہماری توقع سے بہت بہتر تھا (سلیم جھک کے تسلیم بجالاتا ہے۔

(کافور داخل ہوتا ہے)

کافور۔ جہاں پناہ۔ آتشبازی میں شتابہ دکھانے کو صرف ارشاد کا انتظار ہے۔

اکبر۔ شیخو آؤ! ہمارے ساتھ آتشبازی کا نظارہ کرو (اکبر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ساتھ ہی تمام بیگمات اور شہزادیاں مؤدب کھڑی ہو جاتی ہیں۔ باہر بلند آواز سے تاشے باجے، بجنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اکبر تخت پر سے اترتا ہے۔ عصابردار بڑھ کر پردے کھول دیتے ہیں۔ آگے آگے عصابردار۔ ان کے پیچھے اکبر اور بعد میں رانی، سلیم اور دوسری بیگمات اور شہزادیاں باہر جاتی ہیں۔ سب سے آخر میں وہ کنیزیں جاتی ہیں۔ جو مہرے بنی ہوئی تھیں۔ اندر ایوان میں دلارام تنہا تخت کی سیڑھیوں پر کھڑی رہ جاتی ہے باہر سے شور و غل اور نعروں کی آوازیں آتی ہیں۔ کچھ دیر خاموشی رہتی ہے۔ پھر چونک کر چار مرتبہ تالی بجاتی ہے۔ چار خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں۔

دلارام۔ بازی ہو چکی۔ بساط بڑھاؤ۔

(خواجہ سرا بساط کو تکلف سے طے کرتے اور لے جاتے ہیں۔ ان کے رخصت ہو جانے کے بعد دلارام آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اس جگہ آ کھڑی ہوتی ہے جہاں بساط بچھی ہوئی تھی)

اور اب نیا کھیل اور نئے کھلاڑی۔ نئے مہرے اور نئی بازی؟

(باہر آتشبازی چلنی شروع ہو گئی ہے اب شور و غل بڑھ رہا ہے

چہرے فرش پر اور کھلاڑی عرش پر! (چپ ہو جاتی ہے اور سامنے
نکلنے لگتی ہے)

(کھلے دروازے میں سے آتشبازی کی سبز روشنی آ کر اس کے چہرے پر
کانپ رہی ہے۔

یا کون جانے مہرے عرش پر اور کھلاڑی فرش پر! (تصورات منہمک کر لیتے ہیں)
یک لخت لال۔ ہری پیلی روشنیاں اسپر پڑتی ہیں۔ رنگا رنگ کی
آتشبازی چھوٹنے پر باہر داد و تحسین کا شور زیادہ ہو رہا ہے۔

لیکن بازی! بازی! آج ہی، یہیں ابھی اور پھر جو ہو سو ہو!

(چہرہ اونچا کر کے آنکھیں بند کر لیتی ہے۔

(باہر تاشے اور ڈھول اور جھانجیں بج رہی ہیں!

عنبر اور مروارید داخل ہوتی ہیں۔

عنبر اور! دلارام!

مروارید۔ یہاں کیا کر رہی ہو! چلو آتشبازی کا تماشا دیکھو۔

دلارام۔ (سکون سے) اس سے اچھی آتشبازی کچھ دیر بعد یہاں ہوگی)

عنبر۔ (حیران ہو کر) آتشبازی۔ یہاں ایوان خاص میں؟

مروارید۔ وہ کیسی؟

دلارام۔ وقت مشعل لئے ہوئے آ رہا ہے کچھ دیر بعد خود دیکھ لو گی۔

عنبر۔ کچھ بتاؤ تو سہی۔

دلارام۔ خاموش رہو اور انتظار کرو۔

مروارید۔ آخر ہے کیا۔

دلارام۔ (دروازوں کی طرف دیکھ کر) چپ چپکے ادھر آؤ۔ منہ سے کچھ نہ بولو،
جو کچھ میں کہتی ہوں کرتی جاؤ۔ (سلیم کا تخت اٹھا کر دوسری طرف رکھواتی ہے)
(دروازے پر ایک نظر ڈالکر مروارید کو تخت پر بٹھا دیتی ہے) عنبر تم

یہاں کھڑی ہو (اسے ایوان کے بیچوں بیچ کھڑا کر دیتی ہے اور خود جاکر اکبر کے تخت کی سیڑھیوں پر کھڑی ہو جاتی اور سر آگے پیچھے کر کے آئینوں کو دیکھتی ہے اور بے اطمینانی سے سر ہلاتی ہے۔ سیڑھیوں پر سے اتر آتی ہے) ٹھیک نہیں ٹھیک نہیں یقینی نہیں۔ عنبر یہاں انارکلی پچھلی دیوار کے ساتھ ایک بڑا اصلی آئینہ کھڑا ہے۔ عنبر کی مدد سے اسے سرکاتی ہے) مروارید اس تخت کو ادھر سرکاؤ عنبر تم پھر اپنی پہلی جگہ کھڑی ہو جاؤ (پھر تخت کی سیڑھیوں پر چڑھتی اور عنبر سے کبھی آئینے اور کبھی سلیم کے تخت کو دیکھتی ہے چہرہ پر اطمینان کے آثار نمودار ہوتے ہیں) بہت خوب بہت خوب آجاؤ تینوں پھر ایوان کے درمیان میں کھڑی ہو جاتی ہیں دلارام مسرور نظر آتی ہے عنبر اور مروارید حیران ہیں)

(آتشبازی کی روشنیاں تمام ایوان میں ناچ رہی ہیں)

عنبر۔ یہ کیا بات ہوئی۔ ہماری سمجھ میں تو خاک بھی نہیں آیا۔

دلارام۔ یہاں کچھ بھی نہیں جو دیکھو اور سمجھو۔ سب کچھ فضا میں ہے۔ تاروں میں ہے لیکن اتر رہا ہے، نیچے آ رہا ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں۔ صاف صاف دیکھ رہی ہوں اترے گا اور یہیں ٹھیک اسی جگہ اور آج ہی رات میں، اور پھر تم ہی کو نہیں، ہر ایک کو نظر آئے گا۔

مروارید۔ یہ تم کبھی کبھی کیسی پگلیوں کی سی باتیں کرنے لگتی ہو۔

دلارام۔ (یک لخت عنبر مروارید سنو! میرے حجرے میں جاؤ یہ رہی کنجی (چابی مروارید کو دیتی ہے) وہاں طاق میں ایک طرف کا شیشہ رکھا ہے جا کر لے آؤ۔

عنبر۔ (دلارام کا منہ تکتے ہوئے)

عنبر مروارید گو مگو کے عالم میں (دلارام کا منہ تک رہی ہیں۔)

رہا ہر ستون باجوں کے غل میں گوٹے چھوٹ رہے ہیں اور گوٹے کے بعد تماشائیوں کا نعرۂ تحسین سنائی دیتا ہے ۔)

(سلیم جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا داخل ہوتا ہے)

سلیم۔ دلآرام!

دلآرام۔ صاحب عالم!

سلیم۔ تم مصروف ہو؟

دلآرام۔ کوئی مصروفیت بھی صاحب عالم کی خدمت سے زیادہ اہم نہیں۔ (عنبر مروارید سے) جاؤ جو کچھ میں نے منگایا ہے۔ بہت احتیاط سے لیکر آؤ۔

(عنبر اور مروارید چلی جاتی ہے)

(سلیم سے) میں تعمیل ارشاد کو حاضر ہوں۔

سلیم۔ (رک کر) کچھ نہیں میں انارکلی کو پوچھتا تھا۔

دلآرام۔ رقص و سرود کے لئے آیا چاہتی ہے۔

سلیم۔ (کسی قدر تامل سے) اور رقص و سرود کے بعد؟

دلآرام۔ جو آپ کا فرمان ہو۔

سلیم۔ (ذرا دیر دلارام کو دیکھ کر جو تسلیم و رضا کی تصویر نظر آرہی ہے) دلارام میں نہیں بتا سکتا۔ تمہارے احسانوں کا شکریہ کیوں ادا کروں۔ انعام تم قبول نہیں کرتی۔ شکریے کے موزوں الفاظ مجھے ملتے نہیں۔ مجھے گمان تک نہ تھا۔ کہ تم جس سے مجھے طرح طرح کے اندیشے تھے۔ ایک روز یوں میرے اور انارکلی کے درمیان واسطہ بن جاؤگی خود میری اور اسکی ملاقاتوں کے موقعے نکالوگی۔ جرم سرا میں میری سب سے بڑی رازدار ہوگی۔

دلآرام صاحب عالم بھولتے ہیں کہ انکے پاس میری ایک بہت بڑی حماقت کا راز ہے۔

سلیم تم کیوں اپنے احسانوں کو معاوضہ کا رنگ دیتی ہو۔

دلآرام صاحب عالم کی خوشنودی میرا ایمان ہے۔

سلیم۔ لیکن دلآرام اب تک مجھے حجاب معلوم ہوتا ہے جب میں تم سے ــــ

دلآرام (مطلب سمجھ چکی ہے) آپ کہنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ ظل الٰہی کے حضور میں رقص و سرود ہو چکنے کے بعد جب انارکلی فراغت پا جائے گی تو ــــ (رک جاتی ہے)

سلیم۔ دلارام! (کسی قدر حجاب سے) تم کتنی اعلیٰ ظرف ہو۔

دلآرام۔ میں صرف کنیز ہوں (سر جھکا لیتی ہے، دونوں خاموش ہیں۔ سلیم سہما ہوا سا ہے) (باہر شہنائیاں بج رہی ہیں۔ اور ہوائیاں چھوٹ رہے ہیں۔ شور و غل کسیقدر کم ہو گیا ہے)

سلیم۔ (کچھ دیر بعد) تم نے انارکلی کو آج دیکھا ہے؟

دلآرام۔ اس کا سنگار۔ آج تو بہ شکن ہے۔ سونے ہیں پہلی موتیوں میں سفید ہو رہی ہے

سلیم۔ (اشتیاق سے) کب تک آئے گی)

دلآرام۔ ظل الٰہی کے تشریف لاتے ہی۔ لیکن صاحب عالم مجھے اندیشہ ہے آج آپ ظل الٰہی کے سامنے بھی ضبط سے کام نہ لے سکیں گے۔

سلیم۔ تم مجھے ابھی سے بے قابو کئے دے رہی ہو۔

دلآرام۔ لیکن آپ بے فکر رہیں میں خود مناسب انتظام کروں گی ــــ

(ثریا داخل ہوتی ہے)

ثریا۔ صاحب عالم۔ تسلیم

(سلیم جواب میں مسکرا کر سر ہلاتا ہے۔ ثریا دلارام کو دیکھ کر کبیدہ سی ہو جاتی ہے)

دلآرام۔ (محض بات کرنے کی خاطر)

ثریا۔ ابھی آتی ہیں۔

دلآرام (ثریا کے آجانے سے بےچین سی ہے۔ ذرا توقف کے بعد) میں جاؤں اسے جلد پہنچنے کی تاکید کروں (جلدی سے چلی جاتی ہے)

ثریا۔ (دلارام کے اوجھل ہوتے ہی) صاحب عالم دلارام آپ سے کیا کہہ رہی تھی؟

سلیم۔ (مسکرا کر) کچھ نہیں۔

ثریا۔ (فکرمندی سے) صاحب عالم کو اس پر بہت زیادہ بھروسہ ہو گیا ہے۔

سلیم۔ تم بہت بدگمان ہو ثریا۔
ثریا۔ میں اس سے بہت زیادہ واقف ہوں۔
سلیم۔ اسی لئے تم اسکی قدر نہیں کرسکیتں۔
ثریا۔ اور کیا اسی لئے وہ مجھ سے کتراتی ہے؟
سلیم۔ ایسی حالت میں وہ اس کے سوا اور کر بھی کیا ——
(زعفران اور ستارہ اندر آکر کورنش بجالاتی ہیں دونوں نے اس تکلف سے سنگار کر رکھا ہے کہ شرمائی جاتی ہیں)
اخاہ! آج تو بڑے ٹھاٹھ ہیں زعفران؟
ستارہ۔ زعفرانی جوڑا پہن کر نکلی ہیں کہ کسی کو نام بھول جائے تو یاد پر زور نہ دینا پڑے۔
زعفران۔ (شوخی سے) خیر مانگے تانگے کا دوپٹہ تو نہیں اوڑھ رکھا۔
سلیم۔ ستارہ۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھانے لگا۔
ستارہ۔ اے حضور کہتی ہے۔ دوپٹہ دیکھ دیکھ کر جلی جارہی ہے۔
زعفران۔ تو اب میری زبان نہ کھلواؤ (ستارہ کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا منھ ثریا کیطرف کر دیتی ہے)
ثریا۔ (اپنے خیال میں تھی۔ یک لخت دیکھتی ہے کہ سب اسکی طرف متوجہ ہیں۔ جلدی سے) نہ بوا مجھے بیچ میں نہ گھسیٹو۔
ستارہ۔ (زعفران) بس؟
زعفران۔ بس کیا۔ تو انھوں نے کونسا انکار کر دیا ہے۔
سلیم۔ ثریا یہ معمہ تو تمہیں ہی حل کرنا ہوگا۔ بتانا پڑے گا۔ یہ دوپٹہ کس کا ہے؟
زعفران۔ (ثریا کو آنکھ مار کر) ہاں ثریا بی۔
ثریا۔ (شوخی سے) یہ اتنا شرماتی ہیں۔ تو پھر ان ہی کا ہی۔
زعفران۔ (چٹکیاں بجا بجا کر) آہا ہا۔ بھانڈا پھوٹ گیا۔
ستارہ۔ (ثریا سے) اچھا ٹھہر و تو تو قطامہ (ثریا کی طرف بڑھتی ہے)
(ثریا ہنستی ہوئی بھاگ جاتی ہے۔ ستارہ منہ پھلا کر کھڑی ہو جاتی ہے)

سلیم۔ چلو! ہم کسی سے کہنے کے نہیں۔ غصہ تھوک دو۔

زعفران (نیچے جھک کر ستارہ سے آنکھیں چار کرتی ہیں۔

(کافور داخل ہوتا ہے)

کافور۔ صاحب عالم آتشبازی ہو چکی۔ ظل الٰہی آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔

سلیم۔ میں حاضر ہوا۔

(جلدی سے رخصت ہو جاتا ہے۔ کافور چلنا چاہتا ہے)

زعفران۔ بی کافور ذرا بات تو سنو!

ستارہ۔ (زعفران کی نظروں میں شوخی دیکھ کر مدعا سمجھ جاتی ہے) بی کافور آج نور بڑا جوبن نکالا ہے (کافور مسکرا کر تھم جاتا ہے)

زعفران۔ پھر کیوں نہ ہو۔ کپڑا لتا آخر ہوتا کس دن کے لئے ہے۔ کیوں بی کافور؟

کافور۔ بیٹی میرا نیا جوڑا تو موئی مبارک قدم نے سی کر ہی نہ دیا۔ مجبوری کو یہ پرانا جوڑا پہننا پڑا

ستارہ۔ کیوں نہیں! دلارام چرانہ ہاشم!

زعفران۔ مگر بی کافور یہ گنگا جل پر گوش کیچ کی گوٹ تو ٹاٹ کی انگیا مونجھ کا بخیہ ہو گئی تم اپنا جوڑا مبارک قدم سے لے کر مجھے جوڑے دو کل پہننے کے لئے راتوں رات سی دوں گی۔

کافور۔ اے بیٹی تم جگ جگ جیو۔ جو مجھ بڑھیا کا خیال رکھتی ہو۔

زعفران۔ پر ایک شرط ہے (کافور اشتیاق سے زعفران کا منہ تکتا ہے) رات کو چہرے پر تھوڑی سی قلعی کروا رکھنا (زعفران اور ستارہ دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑتی ہیں)

کافور۔ نامراد چڑیل کہیں کی۔

(زعفران ستارہ کافور کا منہ چڑا کر بھاگ جاتی ہیں)

ٹھہر تو تو سر مونڈی۔ ناک کاٹی۔

(کافور اسے دیکھ کر گھبرا جاتا اور لجاجت سے مسکرا کر رخصت ہونا چاہتا ہے)

دلارام۔ بی کافور! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟

کافور۔ کچھ نہیں بیٹی! سجاوٹ دیکھنے کو کھڑی ہو گئی تھی۔ واہ وا واہ کیسے سلیقے سے آرائش کی ہے۔ یہ بات بھلا کسی اور میں کہاں سے آئی۔

دلارام۔ خاموش! ظلِ الٰہی!

(کافور گھبرا کر رخصت ہو جاتا ہے۔ دلارام سارے ایوان پر ایک نظر ڈال کر اپنا اطمینان کرتی ہے، پھر ظلِ الٰہی کے استقبال کو مڑنا چاہتی ہے کہ عنبر اور مروارید داخل ہوتی ہیں)

عنبر۔ دلارام یہ رہا عرق۔

دلارام۔ ساتھ کے حجرے میں چھپا کر رکھ دو اور میرے اشارے کی منتظر رہو (عنبر اور مروارید جلدی سے دوسری طرف جاتی ہیں۔ دلارام دروازے کی طرف بڑھتی ہے۔ نفیریوں کی آواز تیز تر ہوتی جاتی ہے۔ عصابردار داخل ہو کر اپنے اپنے مقام پر مؤدب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے دو دروازے کے دائیں بائیں ٹھہرتے ہیں۔ اکبر، رانی، سلیم، شہزادیاں اور بیگمات داخل ہوتی ہیں۔ سب کے داخل ہو چکنے کے بعد ایوان کے پردے کھینچ دیے جاتے ہیں۔ اکبر تخت کی سیڑھیوں پر چڑھ کر ایک لمحے کو ایوان پر نظر ڈالتا اور پھر بیٹھ جاتا ہے۔ باجے زور زور سے آخری مرتبہ بج کر بند ہو جاتے ہیں۔ اور دور فاصلے کی شہنائیاں اور سرنائیاں بجنی شروع ہو جاتی ہیں۔ بیگمات اور شہزادیاں کورنش بجا لا کر چوکیوں اور فرش پر بیٹھ جاتی ہیں۔ کنیزیں دست بستہ کھڑی رہتی ہیں۔ ایک خواجہ سرا تحائف کے تختے کے پاس جا کھڑا ہوتا ہے)

(سلیم رانی کے تخت کے قریب ایک چوکی پر بیٹھنا چاہتا ہے)

دلارام۔ (آہستہ سے) صاحبِ عالم!

سلیم۔ (دلارام کے قریب آ جاتا اور سرگوشی میں باتیں کرتا ہے)

دلارام۔ (تخت کی طرف اشارہ کر کے) یہاں ظلِ الٰہی سے اوٹ ہے۔

سلیم۔ پھر؟

دلارام۔ یہاں آنکھیں اور اشارے آزادی سے کام کر سکتے ہیں۔

سلیم (مسکرا کر اس تخت پر بیٹھ جاتا ہے جو دلآرام نے اس کے لئے مخصوص کر رکھا ہے)
انارکلی ابھی تک نہیں آئی ؟

دلارام ۔ آیا ہی چاہتی ہے۔

سلیم ۔ کہاں بیٹھے گی ؟

دلارام ۔ (آنکھ سے اشارہ کر کے) اس طرف

سلیم ۔ عین مقابل ؟

دلارام ۔ صاحب عالم کی خوشنودی میرا ایمان ہے۔

اکبر ۔ (اس دوران میں رانی سے گفتگو کر رہا تھا۔ بات ختم کرنے کے بعد ادھر اُدھر دیکھتا ہے کہ سلیم کہاں ہے) شیخو!

سلیم ۔ (کھڑے ہو کر) ظل الہٰی!

اکبر ۔ اتنی دور کیوں ؟

سلیم ۔ ظل الہٰی وہ ——

دلارام ۔ صاحب عالم علیل تھے۔ اس لئے کنیز نے علیحدہ جگہ رکھی کہ جب چاہیں باہر آجا سکیں۔ ہاں اب رقص (سلیم آنکھوں آنکھوں میں دلارام کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ جاتا ہے)

رقاصہ لڑکی داخل ہوتی اور رقص شروع کرتی ہے۔ رقص میں رادھا کے جذبات فراق اور شیام کے انتظار میں اسکی بے تابی کا نہایت موثر اظہار ہے رقص کے دوران میں عنبر اور مروارید واپس آتی ہیں۔ دلارام سرگوشیوں میں ان سے گفتگو کرتی ہے۔

رقاصہ جب ناچتی ناچتی اکبر کے قریب پہنچتی ہے تو وہ اس خواجہ سرا کو اشارہ کرتا ہے جو تخت کے قریب کھڑا ہے وہ تخت پر سے ایک دوشالہ لیکر اکبر کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اکبر دوشالہ لیکر ---------- رقاصہ کی طرف پھینکتا ہے۔ رقاصہ اسے اٹھا کر دو زانوں ہو جاتی ہے اور سر جھکا کر دائیں ہاتھ کی پشت زمین سے

لگاتی اور پھر آہستہ آہستہ پیشانی تک اٹھاتی ہے)

دلآرام۔ (اس دوران میں عنبر سے) تم اور کنیزوں کو ساتھ لیکر صاحب عالم کی پشت کو ظلِ الٰہی سے اوٹ میں کرلو۔ اور میرے اشارے کی منتظر رہو (عنبر دلآرام کے کہے کی تعمیل کرتی ہے)

(انارکلی، اسکی ماں، ثریا۔ زعفران اور ستارہ داخل ہو کر کورنش بجالاتی ہیں)

انارکلی دلآرام کے بیان کے مطابق سر سے پاؤں تک بناؤ سنگار کیے شعلہ جوالہ معلوم ہو رہی ہے۔ دلآرام اسے دیکھتے ہی دوسری طرف اسکے قریب جاتی ہے)

اکبر۔ ہاں تم انارکلی! ماہِ کامل کو ننھے ستاروں پر فتح حاصل کرنے کیلئے ہالے کی ضرورت نہیں۔ تو پھر اے نازنین یہ زرق برق پوشاک کس لئے؟

(انارکلی شرما جاتی ہے اور اٹھ کر مجرا بجالاتی ہے۔)

زعفران۔ (آہستہ سے دلآرام سے) اری کم بخت اب کہہ بھی

دلآرام۔ کیا بکتی ہے چڑیل۔ اب انارکلی گائے گی۔

ستارہ۔ انارکلی کے بعد ہمارا رقص کیا خاک جمے گا۔

دلآرام۔ پھر جانے دو۔

زعفران۔ واہ! بڑی آئی منتظم بنکر کہیں کی۔ ابھی کچھ کہتی ہوں۔

اکبر۔ کیا ہے زعفران؟

زعفران۔ ظلِ الٰہی! ایک رقص کی لونڈیاں بھی امیدوار ہیں۔

اکبر۔ کیسا رقص؟

زعفران۔ بس انارکلی نے اس کا نام رقص ماکیاں رکھا ہے۔

اکبر۔ (مسکرا کر) رقص ماکیاں؟ تم نے انارکلی؟

(انارکلی شرمائی ہوئی کھڑی ہو کر مسکرا پڑتی اور مجرا لاتی ہے)

تم کو اجازت ہے زعفران۔

(زعفران اور ستارہ رقص کی تیاری کرتی ہیں۔ سلیم ثریا کو اشارے سے بلاتا ہے۔ ثریا ادھر ادھر دیکھتی ہے۔ ایک خواجہ سرا خاصدان لئے کھڑا ہے۔

اس کے ہاتھوں سے لے لیتی ہے اور پان پیش کرنے کے بہانے سلیم کے
پاس جاتی ہے۔ سلیم سرگوشیوں میں گفتگو کرتا ہے۔)

سلیم۔ انارکلی مجھ سے ناراض ہیں؟ (خاصدان میں پان کا بیڑا لیتا ہے۔

ثریا۔ وہ کیوں ناراض ہوتیں؟

سلیم۔ آنکھ اٹھا کر بھی ادھر نہیں دیکھا۔

ثریا۔ دیکھتے نہیں ظل الٰہی موجود ہیں۔

سلیم۔ مگر یہ بھی تو دیکھو میں کس جگہ بیٹھا ہوں۔

ثریا۔ وہ تو ٹھیک سامنے ہیں۔

سلیم۔ جاؤ میرا سلام کہدو۔

(ثریا واپس جاکر خاصدان خواجہ سرا کو دے دیتی ہے اور انارکلی سے
کان میں بات کرتی ہے۔ انارکلی سلیم کی طرف دیکھ کر نظریں جھکا لیتی ہے)

(زعفران اور ستارہ رقص شروع کرتی ہیں۔ رقص میں دو لڑاکا بہنوں کے
تعلقات کا اظہار ہے جنکی کبھی بنتی کبھی بگڑ جاتی ہے۔ بنتی تھوڑی اور بگڑتی
زیادہ ہے ذرا کمر میں ہاتھ ڈالا گلے ملیں، رخسار سے رخسار ملایا اور بگاڑ کی
کوئی وجہ پیدا ہوگئی۔ ایک نے دوسرے کا زیور دیکھ کر منہ بُرا سا بنا لیا۔ اس نے
جواب میں منہ چڑایا بس مرغیوں کیطرح ایکدوسرے سے گتھ گئیں۔ اس نے
اسکے چٹکی بھری اس نے اسکی چٹیا کھینچی خوب لڑائی ہوئی ایک ہار گئی دوسری
جیت کر ہنس پڑی ذرا دیر میں ہنسنے والی کو رحم آیا۔ روتی بہن کو جا منایا،
آنسو پونچھے گلے لگایا صلح صفائی ہوگئی اب رونے والی نے آرسی دیکھی۔
ناز سے بھویں چڑھائیں پھر بہن کے سامنے آرسی یوں کردی۔ گویا کہہ رہی ہے
اپنی صورت تو دیکھو اس پر دوسری جل گئی پھر خاصدان کی ٹھن گئی۔ اس نے
چیت جڑی اس نے کاٹ کھایا۔ خوب جوتی پیزار ہوئی۔ غرض بار بار یونہی
بنتی بگڑتی رہی۔ یہاں تک کہ دونوں بے دم ہوکر گر پڑیں)

(تمام محفل نے ہنس ہنس کر اس رقص کی داد دی)

اکبر۔ یہ رقص بھی انعام کا مستحق ہے۔

(زعفران اور ستارہ تخت کے قریب جاتی ہیں۔ اکبر انھیں بیش قیمت دوشالے انعام میں دیتا ہے۔ دو نو زانو ہو کر شکریہ ادا کرتی ہیں)

دلارام۔ (سلیم سے) صاحب عالم اس رقص کا نام بھی انعام کا مستحق تھا۔

سلیم۔ (کھڑے ہو کر) ظل الٰہی اس رقص کا نام بھی انعام کا مستحق ہے۔

اکبر۔ تم نے درست کہا شیخو۔ انارکلی یہ داد تمہارے لئے ہے۔

(انارکلی اکبر کے قریب جاتی ہے۔ اکبر اسے بھاری کام کا دوپٹہ انعام میں دیتا ہے۔ انارکلی دو زانوں ہو کر شکریہ ادا کرتی ہے)

اور اے فردوس کی بلبل! تیرا نغمہ ہمیں کب تک منتظر رکھے گا؟

(انارکلی الٹے پاؤں واپس آجاتی اور گانے کی تیاری کرتی ہے)

دلارام (مروارید سے آہستہ آہستہ آواز میں) مروارید جاؤ وہ عرق لے آؤ۔

انارکلی۔ (گیت شروع کرنے سے پہلے پھر آداب بجا لاتی ہے)

کانھڑا اور باری

شبھ دن شبھ گھڑی لگن مہورت! بیٹھے تخت دلی نرپت رے!

نو کھنڈ بارہ منڈ گاوت گینیں اندر جیبون برکھا موتی دان کرے!

اٹل کرسی بنی بیٹھے چھتری دھاری ہیرا مونگا چونی موتی لعل زرے

چاردُجگ جیو ہمایوں کے نندن شاہوں کی پت شاہ اکبر رے

(گیت ختم کرکے پھر آداب بجا لاتی ہے)

بے مثل۔ بے نظیر۔ گیت کے لفظ رس کے لئے نیزی آواز ایک شراب ہے مگر اے جنت ارضی کی حور اب کوئی رقص۔ ہم اس شعلے کو بیقرار دیکھنا چاہتے ہیں۔

(آہستہ سے مروارید سے جو انارکلی کے گیت کے دوران میں عرق کا شیشہ لیکر واپس آگئی ہے) ادھر انارکلی کی طرف جاؤ اور رقص کے بعد جب وہ تھک کر پانی مانگے

تو یہ عرق اسے پینے کے لئے دو
انارکلی رقص کی تیاری کر رہی ہے کہ مردار یہ عرق کا شیشہ رومال میں چھپائے اس کی ٹولی میں جا کھڑی ہوتی ہے)

سلیم ۔ (دلارام کو اشارے سے قریب بلا کر) دلارام فاصلہ بہت ہے ۔

دلارام ۔ اس وقت غنیمت سمجھئے ۔

سلیم ۔ لیکن رقص و سرود کے بعد تو ـــــ

دلارام ۔ مجھے خیال ہے ۔

سلیم ۔ آہ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی (آہ بھر کر) خدایا ۔

(انارکلی ناچتی ہے)

جنگل کی مورنی کا رقص جیسے شکاریوں نے گھیر لیا ہے اور جس کا نر افراتفری میں اس سے بچھڑ گیا ہے ۔ جان کے خوف سے بھاگنی چاہتی ہے ۔ مگر نر کی محبت کھینچ لاتی ہے ۔ سہمی ہوئی اپنے مور کو ڈھونڈ رہی ہے ۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گردن بڑھا بڑھا کر ہر طرف تکتی ہے ۔ مگر کھوج نہیں پاتی پکارنا چاہتی ہے مگر خوف کے مارے آواز حلق سے باہر نہیں آتی کھڑی کھڑی ہانپ رہی ہے اور کانپ رہی ہے ۔ شکاری دم بدم قریب آرہے ہیں ۔ عرصۂ حیات تنگ ہو رہا ہے ۔ وحشت بڑھتی جا رہی ہے ۔ بے قابو ہو کر دوڑتی اور بیتاب ہو کر لوٹتی ہے ۔ کشمکش نے ایک جنون کی صورت اختیار کر لی ہے ذرا دیر میں محبت بے بس کر ڈالتی ہے نر کے بغیر زندگی بیکار نظر آتی ہے سینہ پھیلا کر شکاریوں کی طرف بڑھتی ہے

اور محبت کی ماری مورنی ڈھیر ہو جاتی ہے ۔

سب مسحور ہو کر یہ رقص دیکھ رہے تھے ۔ انارکلی کے گرتے ہی کئی شہزادیاں اپنی جگہ اچھل پڑیں ۔ سلیم گھبرا کر کھڑا ہو گیا ۔ لیکن ذرا دیر بعد جب انارکلی سر اٹھا کر کورنش بجا لائی تو اس زعم کے سحر نے داد تحسین کی صورت اختیار کر لی ۔

اکبر۔ یہ سحر تو نے کہاں سے سیکھا؟ اس میں حقیقت کا انکشاف تھا۔ فن کا کمال تھا۔
تیری بیقرار ساق بلوریں جب زمین سے مس کرتی تھی تو فاتح ہند کا قول دل ایک ستارے
کی طرح جھنجھنا اٹھتا تھا۔ ہاں اور اس کمال پر اس عنایت خسروانہ۔ تیرے دل کو
ساکت کئے بغیر نہ رہے گی۔

(ہیروں کی ایک بیش قیمت مالا لیکر ہاتھ بڑھاتا ہے، انارکلی قریب جاتی ہے۔
اکبر وہ مالا خود اسکے گلے میں ڈال دیتا ہے۔ انارکلی بڑھکر دامن کا بوسہ دیتی ہے)

دلارام۔ (سلیم سے سرگوشی میں) صاحب عالم کیا آپ اس رقص کی داد نہ دیں گے؟

سلیم۔ (یک لخت کھڑے ہو کر) ظل الہٰی! اجازت ہو تو اس رقص کی داد میں بھی دینا
چاہتا ہوں۔

اکبر۔ تم کو اجازت ہے شیخو!

(انارکلی سلیم کی طرف آتی ہے۔ سلیم موتیوں کا ایک بیش قیمت کنٹھا اتار کر
اسے دیدیتا ہے۔ انارکلی نظریں نیچی رکھ کرے لیتی ہے)

سلیم۔ یہ تمہارے کمال کا انعام نہیں، اعتراف ہے۔

(انارکلی تسلیم بجالا کر جاتی ہے)

اکبر۔ اور اب ایک ــــ"

سلیم۔ غزل ظل الہٰی۔

(انارکلی تعمیل ارشاد کی آمادگی میں سر جھکا دیتی ہے۔)

اکبر۔ شیخو تم نے ہمارے منہ سے بات چھین لی

انارکلی۔ پانی ثریا۔

مروارید۔ (فوراً شیشہ میں سے عرق نکال کر) یہ لو۔

(انارکلی عرق پی لیتی ہے۔ دلآرام غور سے اسے تک رہی ہے)

دلارام۔ (عنبر سے) عنبر! وقت آگیا۔ صاحب عالم ادٹ کے خیال سے بیٹھے ہیں۔ مگر
ان کا عکس آئینے میں صاف صاف پڑ سکے تم سب کچھ سمجھ چکی ہو؟

عنبر۔ کچھ فکر نہ کرو۔

انارکلی۔ (دوسری طرف مرواريد سے) مرواريد اس میں شراب کی سی بو تھی۔ یہ عرق کیسا تھا۔

مرواريد۔ مفرح!

سلیم۔ ادھر دلارام سے) دلارام غزل کے بعد ہم اٹھ جائیں گے اور اسوقت ــ اگر تم۔"

دلارام۔ (انارکلی کو تکتے ہوئے، انارکلی کو باغ میں ــ"

سلیم۔ آج تو حرم سرا کے سوا ہر جگہ تنہائی ہے۔

دلآرام۔ میں خود فکر میں ہوں (دلارام انارکلی کی طرف جاتی ہے)

انارکلی (ادھر ثریا) میرا سر تپ رہا ہے۔ میری رگوں میں یہ کیا دوڑ رہا ہے؟"

دلارام۔ (انارکلی قریب پہنچکر آہستہ سے) صاحب عالم تم سے باغ کی تنہائی میں ملاقات کرنے کو بیتاب ہیں۔

(انارکلی نشہ کے ہلکے ہلکے اثر میں سلیم کی طرف دیکھ کر مسکرا پڑتی ہے)

ثریا۔ آپا اب گا بھی چکو۔

دلآرام۔ انارکلی کونسی غزل گاؤ گی؟ (آہستہ سے) اسوقت توفیضی کی غزل "اے ترک غمزہ زن کہ مقابل نشستۂ" بہار دے گی۔ ترک غمزہ زن موجود بھی ہے اور مقابل بھی ہے۔

اکبر۔ ہاں انارکلی!

(انارکلی نشہ میں کھوئی کھوئی سی کھڑی ہے۔ اس کی ماں اور ٹولی کی سب لڑکیاں اس تامل اور بے پروائی پر حیران ہیں)

ثریا۔ آپا سنا نہیں ظل الہی یاد فرما رہے ہیں۔

دلآرام۔ (پھر آہستہ سے) اے ترک غمزہ زن کہ مقابل نشستۂ۔

ماں۔ بیٹی اب غزل شروع کیوں نہیں کرتی۔ کیا انتظار ہے؟ توقف کے بعد) نادرہ!

انارکلی۔ (چونک کر آہستہ سے) جی اماں!

دلآرام۔ (پھر آہستہ سے) اے ترک غمزہ زن کہ مقابل نشستۂ (دلارام انارکلی کا ہاتھ تھام کر

اسے درمیان میں لے آتی ہے۔ چلتے وقت کان میں کہتی ہے) اے ترک غمزہ زن ہر روز یوں مقابل بیٹھا نہیں ملتا۔

انارکلی۔ (غزل شروع کرتی ہے گانے کے دوران میں شراب کا نشہ تیز ہوتا جاتا ہے اسکی توجہ صرف سلیم کی طرف ہے۔ بہت جلد وہ بھول جاتی ہے کہ تیرے اور سلیم کے سوا کوئی اور بھی محفل میں موجود ہے۔ اکبر آنکھیں بند کئے نیم دراز ہے۔ انارکلی کا رخ سلیم کی طرف ہے اسلئے اس کا چہرہ اکبر رانی اور بیگموں سے اوجھل ہے۔ لیکن جو شہزادیاں اور کنیزیں اسے دیکھ سکتی ہیں وہ اسکی جرأت پر حیران او ساں کی نظریں بار بار بے اختیار اکبر کی طرف اٹھتی ہیں)

غزل

اے ترک غمزہ زن کہ مقابل نشستۂ در دیدہ ام خلیدہ و در دل نشستۂ

(انارکلی ترک غمزہ زن کا اشارہ واضح طور پر سلیم کی طرف کرتی ہے سلیم اتنے واضح اشارے سے گھبراسا جاتا ہے)

سلیم۔ (کچھ دیر بے چین رہ کر آخر پیچھے دلارام کی طرف دیکھتا ہے) دلآرام!

دلارام۔ (انارکلی کو تکتے تکتے) صاحب عالم۔

سلیم۔ انارکلی یہ کیا کر رہی ہے!

دلارام۔ میں خود حیرت میں ہوں۔

انارکلی۔ آرام کردۂ پنہان خانۂ دلم خلقے دریں گماں کہ بہ محفل نشستۂ

(انارکلی نہاں خانۂ دلم میں اپنی طرف اشارہ کرکے نشستۂ کا مخاطب پھر سلیم کو بناتی ہے۔ سلیم کی گھبراہٹ بڑھ رہی ہے اور وہ تخت پر بار بار پہلو بدل رہا ہے)

سلیم۔ (نہیں رہا جاتا) دلارام اسے روکو (پریشان نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا ہے کہ کوئی اور تو نہیں دیکھ رہا ہے)

دلارام۔ (انارکلی کو تکتے تکتے) روک رہی ہوں۔ مگر وہ دیکھتی نہیں۔ اسکی نظریں آپ پر گڑی ہوئی ہیں۔

(سلیم آنکھ کے خفیف اشاروں سے ناخوشی ظاہر کر کے اسے روکنا چاہتا ہے)

انار کلی۔ من خوں گرفتہ نیستم امروز ورنہ تو   خنجر بدست و تیغ حمائل نشستہ،

(انار کلی من کا اشارہ اپنی طرف اور نشستہ کا پھر سلیم کی طرف کرتی ہے)

دلآرام۔ صاحب عالم! آپ خود روکئے۔ ظل الٰہی دیکھ لیں گے۔

سلیم۔ میں اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں روک رہا ہوں۔ لیکن نہ جانے اسے کیا ہو گیا ہے۔ وہ کچھ نہیں سمجھتی۔

دلآرام۔ آپ واضح اشارے سے منع کیجئے میں ظل الٰہی کے پاس جا کر انکی توجہ کسی دوسری طرف کئے دیتی ہوں (دلآرام عنبر سے سرگوشی کر کے اکبر کی طرف جاتی ہے)

انار کلی۔ خوباں شکستہ رنگ خجل ایستادہ اند   ہر جا تو آفتاب شمائل نشستہ،

(انار کلی بے باک ہوتی جا رہی ہے۔ سلیم سراسیمگی کے عالم میں آنکھوں کی حرکت سے، آنکھ کے اشارے سے اسے روکنے کی کوشش کر رہا ہے)

(دلآرام تخت پر اکبر کے پیچھے پہنچکر اسے انار کلی کیطرف متوجہ کرتی ہے اکبر سنبھل کر بیٹھ جاتا ہے ایک نظر دلآرام کا چہرہ دیکھتا ہے اور سب کچھ سمجھ کر انار کلی کی جرات پر حیران رہ جاتا ہے۔ دلآرام آئینے کیطرف اشارہ کرتی ہے اس میں سلیم اشاروں سے انار کلی کو روکتا ہوا نظر آتا ہے۔ سازباز کے انکشاف پر اکبر سے نہیں رہا جاتا۔ غیظ و غضب کے عالم میں کھڑا ہو جاتا ہے)

اکبر۔ ہو!

(اکبر کے کھڑے ہوتے ہی ساری محفل کھڑی ہو گئی۔ اور جشن پر سکوت مزار چھا گیا ہے، انار کلی چونک کر اکبر کو دیکھتی ہے)

کافور!

کافور۔ ظل الٰہی!

اکبر۔ اس بے باک عورت کو لے جاؤ اور زنداں میں ڈال دو۔

(کافور اشارہ کرتا ہے۔ خواجہ سرا بڑھ کر انار کلی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہیں)

انار کلی۔ جہاں پناہ! جہاں پناہ! (وہ بے اضطرار اکبر کی طرف دوڑتی ہے اور تخت کی سیڑھیوں پر سجدہ کرنے کی کوشش میں بیہوش ہو کر گرتی ہے۔ ثریا دوڑ کر بہن سے چمٹ جاتی ہے)

انار کلی کی ماں (سینہ تھامے ہوئے آگے آتی ہے) ظلِ الٰہی! خدا کا واسطہ!

اکبر۔ (دبے ہوئے غصے سے)

سلیم۔ (اٹھ کر بے تابانہ اکبر کی طرف جاتا ہے)

(رانی سلیم کی طرف بڑھنا چاہتی ہے)

(ہاتھ اٹھا کر)

(رانی اپنی جگہ سہم کر رہ جاتی ہے۔

(دلارام اکبر کے پیچھے کھڑی ساکت نظروں سے جیسے افق کو تک رہی ہے)

"پردہ"

باب سوم

منظر اول

اگلے روز سہ پہر کو سلیم کا ثمن برج والا ایوان۔

سلیم کے عشق کا راز طشت از بام ہو چکا ہے۔ تمام قلعے میں اس کے اور انار کلی کے خفیہ تعلقات پر چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ اس نے خود صاف الفاظ میں اعتراف عشق کر لیا ہے۔ صبح سے اب تک انار کلی کی رہائی کیلئے اکبر کے حضور میں ہر ممکن ذریعے سے منتیں، خوشامدیں، التجائیں اور سفارشیں بھیجتا رہا ہے لیکن بارگاہ اکبری میں رانی کے سوا کسی کو باریابی حاصل نہیں ہو سکی۔ اور جب امید وہ بھی مایوس چہرہ اور طول نگاہیں لے کر واپس آ گئی — ناامید ہو کر بختیار کو زبردستی داروغہ زنداں کے پاس بھیجا ہے کہ کسی قیمت یا وعدے پر رات میں انار کلی سے ملاقات کی صورت نکال کر آئے۔

تفکرات اور اندیشیوں کے باعث صبح سے ابتک جنون کی سی کیفیت میں گذرا ہے نہ منہ ہاتھ دھویا ہے نہ خط بنوایا ہے نہ لباس تبدیل کیا ہے۔ نہ صبح سے ابتک کچھ کھایا ہے مجبور ہو کر متفکر ماں سمجھانے بجھانے کی غرض سے خود اسکے ایوان میں آئی ہے سلیم اپنی مجبوری اور بے بسی کے احساس سے بھرا ہوا مسند پر بیٹھا ہے، رانی پاس بیٹھی اسے منا رہی ہے۔

رانی۔ سلیم! اپنے ماں باپ سے خفگی! یوں بھی کہیں ہوتا ہے یہ بھی کہیں اولاد کو زیب دیتا ہے۔

سلیم۔ اولاد پر ظلم ماں باپ کو بھی زیب نہیں دیتا۔

رانی۔ اولاد پر ظلم۔ اور پھر تجھ سی اولاد پر، کیا کہتا ہے بیٹے تو کیا جانے تیری آرزو میں ماں باپ نے زندگی کے کتنے دن آہیں بنا کر اڑا ڈالے۔ زندگی کی کتنی راتیں آنسو بنا کر بہا ڈالیں۔ تو نہ تھا تو یہ زندگی شمشان کی طرح سنسان اور اجاڑ تھی۔ یہ محل خزاں کی رات کی طرح ویران کھڑے تھے۔ اس ہندوستان کا سہاگ بگڑا اجاڑ رہا تھا۔ اور میرے دولہا پھر تو آیا اور زندگی آئی اور بہار آئی۔ میرے چاند ہم ہنس پڑے، دنیا ہنس پڑی خود تقدیر ہنس پڑی۔ پھر ماں باپ تجھ پر ظلم کریں گے! کس دل سے سلیم؟

سلیم۔ آپ کے نزدیک مجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوا۔ تو میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ (غصے سے منہ موڑ لیتا ہے)

رانی۔ کیا ظلم؟ کہ انارکلی قید کر لی گئی۔ سلیم کیوں دیوانہ ہوا ہے وہ تیرے قابل ہے؟ اگر تو باپ ہوتا اور بادشاہ۔ اپنی اولاد کے لئے نہ جانے کیا کیا امیدیں اور امنگیں تیرے دل میں ہوتیں۔ اور پھر تیرا بیٹا ایک کنیز کی محبت میں گرفتار ہو جاتا تو تو بھی کچھ نہ کرتا تو جسے ظلم کہہ رہا ہے کیا یہ اولاد کا حق ہے۔

سلیم۔ (سامنے تکتے ہوئے) میں اولاد کی خوشی کو اپنی مصلحتوں پر ترجیح دیتا۔

رانی۔ نوجوان ہے ناتجربہ کار ہے۔ باپ بنکر سوچنا نہیں جانتا۔

سلیم۔ باپ بنکر انصاف کی آنکھیں بند نہیں کرسکتا۔ (کھڑا ہو کر منہ دوسری طرف کر لیتا ہے)

رانی۔ سلیم! ماں باپ کو اپنی زندگی بھر کی آرزوئیں اپنی اولاد کی طرح عزیز رہتی ہیں۔ انھیں نامکمل چھوڑ دینا یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اولاد کو بے آسرا چھوڑ کر گزر جانا۔ پھر تیرا اپنے ماں باپ کی آرزوں کو پامال کرنا انہیں کیسے خوش کرے؟ انہیں کیسے نہ معلوم ہو۔ کہ ان کی اولاد ہی آپس میں کشت وخون کر رہی ہے۔

سلیم۔ (جلکر) اگر ماں باپ اپنی اولاد کیلئے اپنی قربانیوں کو بھولنا نہیں جانتے تو ان کا اپنی اولاد کی آرزوں پر اپنی آرزوں کو مقدم سمجھنا بے معنی ہے۔

(غصے میں ٹہل کر کمرے کے پچھلے حصے میں چلا جاتا ہے اور منہ دوسری طرف کر کے کھڑا ہو جاتا ہے)

رانی۔ آج تو کیا کیا کچھ کہہ رہا ہے بچے! اس ننھے سے دل میں ماں باپ کے خلاف اتنا زہر بھر گیا؟ صرف اس لئے کہ وہ نہیں چاہتے۔ تو ایک حرم کی کنیز سے شادی کرے اور دنیا کی نظروں میں اپنے آپ کو سبک بنالے؟

سلیم۔ میں جانتا ہوں یہ دنیا کس طرح دیکھنے کی عادی ہے (غصے سے بگڑ کر) جلئے دنیا کی عظیم ترین سلطنت کی لخت جگر کو میرے پہلو کی زینت بنا دیجئے اور میں پھر بھی دنیا کی یہ سرگوشیاں آپ کے کانوں تک پہنچا دوں گا۔ اس احمق کو دیکھو۔ جس نے سیاست کے پیچھے اپنے آپ کو بیچ ڈالا جانیے۔ فردوس سے میرے لئے ایک حور مانگ لائیے۔ پھر بھی میں دنیا کی نظروں میں یہ طعنے لکھے ہوئے دکھا دوں گا۔ یہ بدنصیب عورت کی دل فریبیوں کو کیا جانے (نفرت سے) دنیا اور اس کی نظریں! پھر اگر انارکلی کو اپنا بنا لینے پر یہ دنیا کہے کہ محبت اندھی ہے۔ تو میں دل کھول کر ہنس سکتا ہوں۔

رانی۔ (سلیم کے قریب جاکر محبت سے اسکی پیٹھ پر ہاتھ رکھدیتی ہے) لیکن سلیم ہم اسی دنیا کے خادم ہیں۔ ہیں جو کچھ بنایا اسی دنیا نے بنایا ہے۔ ہندوستان کی باگ ہمارے ہاتھ میں

دیکر یہ دنیا ہمارے ایک ایک فعل کو تاڑ رہی ہے ہم اس دنیا سے بے پروا کیسے ہو سکتے ہیں؟
سلیم۔ اکبر اعظم اور دنیا کے تعلقات پر کوئی دوسرا فرزند قربان کر دیجئے۔ سلیم کے ہاتھ
ہندوستان کی باگ سنبھالنے کے لئے آزاد نہیں۔

رانی۔ سلیم تو جو کچھ کہہ رہا ہے سمجھ نہیں رہا۔
سلیم۔ میں سمجھ رہا ہوں، خوب سمجھ رہا ہوں لے لیجئے۔ مجھ سے سب کچھ لے لیجئے ان
محلوں کی عشرت، ہندوستان کی سلطنت، دنیا کی حکومت۔ خزانوں کی دولت
سب کچھ لے لیجئے اور مجھ کو اور انار کلی کو ایک ویرانے میں تنہا چھوڑ دیجئے۔ جہاں
میں صرف اسکو دیکھوں۔ اسکو سنوں۔ میں اپنی فردوس میں پہنچ جاؤں گا۔ اور
ماں باپ کے احساس کی یاد میں میری آنکھیں ہمیشہ پرنم رہیں گی۔ (مڑ کر
منہ کے قریب آجاتا ہے)

رانی۔ (وہیں پیچھے کھڑے) اور اگر تیرا باپ یوں نہ مانے؟
سلیم۔ (توقف کے بعد) تو ان سے کہہ دیجئے اگر وہ بادشاہ ہیں تو میں بادشاہ کا
بیٹا ہوں۔ اگر ان کی رگوں میں مغلیہ خون دوڑ رہا ہے۔ تو میری رگوں میں راجپوتوں
کا لہو بھی بہتا ہے۔ اور میں جانتا ہوں تلوار سے کیا کیا کام لیا جا سکتا ہے۔
(بے چین سامنے تکتا ہوا مسند پر بیٹھ جاتا ہے)

رانی۔ (قریب آ کر) بچے سلیم! تجھے کیا ہو گیا۔ تو سلیم ہے نہ؟ میرا بیٹا! اور یہ تو بول رہا ہے؟
سلیم۔ (بھرائی آواز میں) سلیم آپ کا بیٹا۔ آپ کا اور اکبر اعظم کا بیٹا۔ نامراد اور رسوا بیٹا۔
بدبخت شہزادہ! (سلیم کے آنسو نکل آتے ہیں)

رانی۔ (سلیم کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو جاتی ہے۔ قریب بیٹھ کر اسے لپٹا لیتی ہے) میری جان!
میرے لال! میرے چاند! یہ آنسو یہ ماں کا لہو۔ میں تجھے انار کلی دوں گی۔ تیرے باپ
سے لیکر دوں گی۔

سلیم۔ اماں! (ماں سے آنکھیں چار کر کے اس سے لپٹ جاتا ہے)

رانی۔ میرا بچہ! (اسے سینے لگا لیتی ہے)

سلیم۔ (توقف کے بعد اشک آلود آنکھوں سے ماں کو تکتے ہوئے) وہ مان جائیں گے؟

رانی۔ (سلیم کے آنسو پونچھتے ہوئے) انہیں ماننا پڑے گا۔

سلیم۔ وہ آپ سے انکار کر چکے ہیں۔

رانی۔ میں نے انہیں صرف انار کلی کو چھوڑ دینے کیلئے کہا تھا وہ سمجھتے تھے کہ وہ چھوٹ گئی۔ تو تو پھر اس سے ملیگا۔ اب میں ان سے کہوں گی۔ کہ وہ انار کلی تیرے لئے چھوڑ دیں۔

سلیم۔ کچھ دیر سوچ میں چپ چاپ بیٹھا رہتا ہے، اگر وہ نہ مانے۔ انہوں نے انکار کر دیا۔

رانی۔ تو انہیں پچھتانا ہوگا۔

(رانی کھڑی ہو جاتی ہے۔ تھوڑی سے پکڑ کر سلیم کا منہ اوپر کرتی ہے اور اسکی پیشانی چوم لیتی ہے پھر اعتماد انگیز انداز میں اسکی پیٹھ پر ہاتھ رکھدیتی ہے۔ کچھ اور کہنا چاہتی ہے۔ مگر نہیں کہتی اور رخصت ہو جاتی ہے سلیم اپنی سوچ میں بیٹھ جاتا ہے)

سلیم۔ (سوچتے ہوئے) انہیں پچھتانا ہوگا۔ وہ پچھتائے بھی تو پھر کیا ہے اور انکار کر دیا تو کیا نہیں (جیسے درد کے احساس سے آنکھیں بند کر لیتا ہے) آہ انکار! خداوندا۔ یہ کس آگ کی سوزش۔ کس شعلے کی جلن ہے! (اٹھ کھڑا ہوتا ہے) انکار نہیں۔ انکار نہیں۔ کچھ مہیب ہو جائے گا کچھ ہو جائیگا کچھ بھیانک (دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر فکر میں غرق ہو جاتا ہے)

(کچھ دیر بعد ثریا داخل ہوتی ہے)

ثریا۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) صاحب عالم! میری آپا! (رو پڑتی ہے)

سلیم۔ (مڑ کر اس کی طرف دیکھتا ہے) تو ثریا! ( ) رو رہی ہے؟

ثریا۔ میری آپا کہاں ہیں۔ میرے شہزادے۔ میرے بادشاہ! میری باجی کن دیواروں میں بند ہیں؟

سلیم۔ (ثریا کو غور سے تکتے ہوئے) تو بھی ان دیواروں سے ٹکرائے گی؟

ثریا۔ میں ان سے اپنا سر پھوڑ لوں گی۔ صاحب عالم مجھے صرف راستہ بتا دیجئے۔

سلیم۔ (ثریا کو تکے جا رہا ہے) میں خود نہیں جانتا۔ لیکن ایک مدھم آواز میرے کانوں

سے دماغ تک شعلوں میں لرز لرز کر مجھے بتا رہی ہے۔ راستہ کونسا ہے۔

ثریا۔ (سلیم کا منہ تکتے ہوئے) کون سا راستہ؟

سلیم۔ (سوچ میں سر کی خفیف جنبش نفی ہے) نہیں بتا سکتا۔

ثریا۔ (توقف کے بعد سہم کر) وہ ماری ڈالی جائیں گی؟

سلیم۔ (سامنے کہیں دور گھورتے ہوئے) خدا ہی جانتا ہے۔

ثریا۔ (بے تاب ہو کر سلیم کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے) آپ انھیں نہ بچائینگے؟

سلیم۔ (اسی محویت میں) کون کہہ سکتا ہے؟

ثریا۔ میرے شہزادے! میرے صاحب عالم! اللہ انھیں بچایئے۔ میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں انہیں بچایئے (دوزانو ہو کر سلیم کے قدموں کو چھوتی ہے اور دوزانو بیٹھی بیٹھی کہتی ہے) آپ نے ان سے کہا تھا۔ انار کلی سلیم کے پہلو سے نوچی نہیں جا سکتی۔ نا ممکن ہے آپ نے نہیں کہا تھا۔ تیرے لئے میں چھوڑ سکتا ہوں۔ اس محل کو اس سلطنت کو سب کو۔ آپ نے کیا کہا تھا۔ اگر تو نہ رہی وہ نہ رہیگا۔ آپ نے تاروں کے سامنے کہا تھا۔ آسمان کے سامنے کہا تھا خدا کے سامنے کہا تھا۔ آپ اپنے لفظوں سے پھر جائیں گے۔ جو آپ نے ایک کمزور بے بس غریب لڑکی سے کہے تھے۔ اس لڑکی سے جسے آپکی زبان اپنی اور صرف اپنی کہہ چکی ہے؟

سلیم۔ (مضطرب ہو کر) ثریا چپ ہو جا۔ تیری باتیں جہنم کا گرم سانس ہیں (ایک لخت مڑتا ہے اور پیچھے جا کھڑا ہوتا ہے)

ثریا۔ (اٹھ کر پیچھے پیچھے جاتی ہے) نہیں آپ اسے بچائیں گے آپ مرد ہیں۔ بات کے دھنی ہیں۔ آپ اپنا قول پورا کر کے دکھائیں گے اسے قید خانے کے اندھیرے میں گھٹنے کی طرح کانپ کانپ کر دم توڑ دینے کو نہ چھوڑ دیں گے۔

سلیم (بیقراری سے مڑ کر ثریا سے پیچھا چھڑانے کو پھر سامنے آجاتا ہے) چلی جا چلی جا نہیں تو میں کچھ ایسا کر بیٹھوں گا کہ فطرت خود ششدر رہ جائے گی۔

ثریا۔ (وہیں پیچھے کھڑے) کہہ دیجئے کہ وہ چھوٹ جائیگی اور پھر مجھے نکال دیجئے یہاں سے اپنے محل سے، اس دنیا سے، صاحب عالم میں ہنستی ہوئی رخصت ہو جاؤنگی۔

سلیم۔ (بغیر ثریا کیطرف دیکھے) صرف وقت جانتا ہے کیا ہونیوالا ہے۔ جاؤ اور انتظار کرو۔

ثریا۔ (سر جھکائے رخصت ہوتی ہے۔ بیرونی ڈیوڑھی پر جا کر رک جاتی ہے) میں باجی کو دیکھ پاؤں گی۔

سلیم۔ (بے تابی اور سامنے گھورتے ہوئے) اور ثریا سلیم کو بھی نہ دیکھنے پائے گی

ثریا۔ خدا آپ کو دنیا کی بادشاہت نصیب کرے! (رخصت ہو جاتی ہے)

سلیم۔ (اسی محویت میں) کیسی گہری اور اندھیری کہر جس میں خون کے چلتے ہوئے دھبے ناچ رہے ہیں اور اس پر زرد چہرہ، بجھی ہوئی آنکھیں اور سلیم کی فریاد۔ آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ چہرے پر اذیت کے آثار ہیں۔ یا رب یہ کیا ہو گیا، یہ کیوں ہو گیا؟ میری انارکلی! میری جان میری روح تم کہاں ہو؟ (مڑتا ہے۔ کنپٹیوں کو ہاتھوں سے دبائے مسند تک جاتا ہے۔ کچھ دیر وہاں کھڑا رہتا ہے۔ آخر مسند پر گر پڑتا ہے۔) (بختیار داخل ہوتا ہے۔

بختیار۔ سلیم!

سلیم۔ (چونک کر اٹھتا ہے اور بختیار کیطرف بڑھتا ہے) کیا خبر لائے؟ میرے لئے ہر طرف مایوسی ہے۔ ہر طرف نامرادی ہے وہ نہیں مانتا، نہ مانے گا اپنے بدبخت شہزادے کی تنہا امید تم ہو۔ بتاؤ۔ تم داروغہ زنداں سے مل لئے؟ وہ مان گیا؟ (بے تابی سے سر ہلا کر) نہیں مانا۔ تو بھی کہدو۔ وہ مان گیا۔ نہیں تو میرا دماغ پھٹ جائیگا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا۔

بختیار۔ (رحم آلود نظروں سے سلیم کو دیکھتے ہوئے) وہ تمہیں انارکلی سے ایک مرتبہ ملا دینے پر آمادہ ہے۔

سلیم۔ آمادہ! سچ ہے یا صرف میرے لئے تسلی؟ پوچھتے ہوئے دل ڈرتا ہے لیکن بختیار تم نے سچ کہا وہ آمادہ ہے؟

بختیار۔ ہاں وہ آمادہ ہے لیکن بہت بڑے معاوضے پر۔

سلیم۔ انارکلی کو چھوڑ کر وہ میرا سب کچھ لے سکتا ہے۔

بختیار۔ لیکن سلیم۔ میرے دوست۔ میرے شہزادے۔ میں پھر کہوں گا۔ انارکلی کی گرفتاری معمولی بات ہے۔ وہ چند روز بعد رہا ہو جائیگی۔ تم اسے بھولنے کی کوشش کرو کیوں نہ۔

سلیم۔ (بےچینی سے منہ موڑ کر) کچھ نہ کہو۔ بختیار اسوقت کچھ نہ کہو۔ میں جنوں سے بہت قریب ہوں۔

(پھر اسکی طرف رخ کر کے) مجھے صرف یہ بتاؤ۔ کب کس وقت ؟

بختیار۔ (کسی قدر ملول ہو کر) آدھی رات کے بعد۔

سلیم۔ تنہائی میں؟

بختیار۔ (سر کی جنبش اثبات کے ساتھ) اگر تم مجھ سے کام لینے کا وعدہ کرو۔

سلیم۔ (سوچتے ہوئے مسند کے قریب آتا ہے) تجھ سے؟ میں تجھ سے کام لوں گا۔ خوب تجھ سے (بیٹھ کر توقف کے بعد) اپنی سمجھ سے۔

بختیار۔ (آخری الفاظ پر معنی انداز میں کہے جانے سے چونکتا اور سلیم کو دیکھتا ہے) اپنی سے کیا۔

سلیم۔ (آنکھیں تنگ ہوتی جا رہی ہیں) وہ ایک قاہر بادشاہ کے انصاف کی محتاج نہ رہے گی۔

بختیار۔ (اندیشہ ناک نظروں سے) تمہارا کیا ارادہ ہے؟

سلیم۔ اسی رات میں صبا رفتار گھوڑے اسے کسی ایسے محفوظ مقام پر پہنچا دیں گے جہاں ظل الٰہی کا آہنی قانون نہ پہنچ سکے گا۔

بختیار۔ (کچھ دیر حیرت سے سلیم کا منہ تکتا رہتا ہے اور پھر جلدی سے اسکے قریب آکر) سلیم! تم دیوانے ہو گئے ہو۔

سلیم۔ اگر میں نے اسے ظل الٰہی کے رحم پر چھوڑ دیا تو ضرور دیوانہ ہو جاؤں گا۔

بختیار۔ (پریشانی کے عالم میں سلیم کے سامنے بیٹھ کر) لیکن زندان کے سپاہی؟

سلیم۔ (آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں) اور مغل ولیعہد کی تلوار۔

بختیار۔ (سراسیمہ ہو کر) سلیم یہ بغاوت ہے؛

سلیم۔ (کھڑا ہو جاتا ہے) میں اسی پر آمادہ ہوں۔

بختیار۔ (کھڑے ہو کر حیرانی سے) تم اپنے باپ سے ہندوستان کے شہنشاہ سے باغی ہو جاؤ گے؟

سلیم۔ تمام دنیا باغی ہے۔ بادشاہ خدا سے امراء افلاس سے مصلحتیں انصاف سے اور اب جو کچھ باقی ہے وہ بھی باغی ہو گا۔ سب کو باغی ہو جانے دو اور دیکھتے رہو کہ آگ اور خون موت اور جنون کے اس دیوانے ہنگامے میں سے دہکتا ہوا کیا نکلتا ہے۔

بختیار۔ تم جانتے نہیں اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔

سلیم۔ (خاموش کرنے کو ہاتھ اٹھا کر) میں جاننا نہیں چاہتا۔

بختیار۔ (ذرا دیر بعد اندیشناک تفکرات میں غرق رہ کر) کاش مجھے پہلے معلوم ہو جاتا۔ میری اس کوشش کا نتیجہ یہ ہو گا۔

سلیم۔ اور معاملات اور بدتر نہ ہو جاتے۔

بختیار۔ (ملامت کے انداز میں) تم نے مجھ سے کہا تھا۔ تم انارکلی سے ایک مرتبہ صرف اس کو دیکھنا چاہتے ہو۔

سلیم۔ تب امید تمہاری تھی۔ اب بجھ چکی۔

بختیار۔ (نہیں جانتا کیا کہے بیقراری سے مڑ کر ذرا فاصلے پر جاتا اور گم مہم کھڑا رہتا ہے) داروغہ زنداں کو شبہ تھا۔ بہت تامل تھا۔ وہ کسی طرح رضامند نہ ہوتا تھا۔ میرے اصرار اور وعدوں نے۔ معاوضے کے لالچ نے بمشکل اسے آمادہ کیا۔ لیکن سلیم وہ ہوشیار رہیگا اکبر اعظم کے عذاب کا خوف اسے چوکنا رکھے گا۔ بہت چوکنا۔ وہ جیتے جی تمہیں انارکلی کو نہ لے جانے دے گا۔

سلیم۔ میرے جیتے جی وہ انارکلی کو رکھنے نہ پائے گا۔

بختیار۔ (بے بسی کی متوحش نظروں سے اِدھر اُدھر تکتا ہے۔ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ مگر بے سود سمجھ کر نہیں کہتا۔ دوسری طرف ٹہل جاتا ہے۔ کچھ دیر فاصلے پر خاموش کھڑا رہتا ہے آخر نہیں رہا جاتا بیقرار ہو کر مڑتا ہے اور سلیم کے قریب آتا ہے اور انتہائے درد اور خلوص سے کہتا ہے)

سلیم! تم تباہ ہو جاؤ گے۔ گرفتار ہوئے تو ذلیل و رسوا اور فرار ہو گئے تو آوارہ وطن اور بے نوا۔

سلیم۔ (ساکت کھڑا جیسے افق میں اپنا مستقبل دیکھ رہا تھا۔ بختیار کا خلوص آخر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ سلیم کے چہرہ پر ایک مردہ سا تبسم آجاتا ہے) جو آرہا ہے آنے دو بختیار! اسے نہ تم روک سکتے ہو اور نہ اکبر اعظم ایک موت کے خون آلود دانت

ہیں اور دوسری طرف غریب الوطنی کے زہر آلود کانٹے۔ اور دونوں کے درمیان تقدیر۔ پراسرار شش در اور چپ چاپ۔ کون جانے اسکے ہونٹوں پر تبسم آجائے یا آنکھ میں آنسو لیکن موت بھی انارکلی کیلئے اور اس کے پہلو میں شریک ہوگی۔ بختیار وصال کی طرح شیریں (آنکھیں بند کرلیتا ہے) مگر میرے دوست آ۔ کچھ مت بول! چپ چاپ میرے سینے سے لگ جا۔ مجھے ڈر ہے۔ میرا دل اتنا نہ دھڑک اٹھے کہ تھم جائے۔ میں تسکین چاہتا ہوں۔ (سلیم ہاتھ پھیلاتا ہے۔ بختیار کچھ دیر گم سم کھڑا اسے تکتا رہتا ہے۔ آخر سلیم کی محبت بے قابو کردیتی ہے۔ آنکھیں اشک آلودہ ہو جاتی ہیں۔ بڑھ کر دوزانو ہو جاتا اور سلیم کی ٹانگوں سے لپٹ جاتا ہے۔ سلیم اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیتا ہے)

منظر دوم

زندان! اسی روز آدھی رات کو

ایک تہ خانہ جسکی اونچی اونچی دیواریں سیل کی وجہ سے شور آلود ہیں۔ چھت کے قریب ایک سلاخ دار روزن ہے، باہر زمین کی سطح سے اونچا ہونیکی وجہ اس تہ خانے میں ہوا اور روشنی آنیکا اکیلا راستہ ہے۔ سامنے ایک دروازہ ہے جسکے باہر تہ خانے سے دو سیڑھیاں اونچی ایک مختصر سی ڈیوڑھی ہے تہ خانے کی سیڑھیاں اسی ڈیوڑھی میں آکر ختم ہوتی ہیں دروازے میں سلاخیں لگی ہیں اور باہر کی طرف ایک بھاری قفل پڑا ہے۔ تہ خانے میں سیاہی مائل پتھر کا فرش ہے کونے میں پرال کا ایک ڈھیر ہے۔ جو قیدی کیلئے ایک بستر کا کام دیتا ہے۔

روشنی کے لئے طاق میں جو چراغ رکھا تھا بجھ چکا ہے۔ تہ خانے میں اندھیرا ہے۔ صرف روزن میں سے باہر کا آسماں اور اسکے تارے نظر آرہے ہیں یہی روشنی ہے جسکی امداد سے اگر آواز کی رہنمائی میں غور سے دیکھا جائے تو

تہ خانہ کے درمیان انارکلی کھڑی ہوئی ایک نسبتاً کم تاریک نظر آتی ہے ۔

حرم کے جشن کی ہنگامہ گاہ کے بعد آج جب اسکے دماغ پر سے تیز و تند شراب کا اثر رفتہ رفتہ زائل ہوا، تو اس نے آپ کو تیرہ و تاریک محبس میں پایا۔ وہ روتی رہی چیختی رہی۔ چلاتی رہی، لیکن اسکی فریاد کی کچھ شنوائی نہ ہوئی اسے کچھ یاد نہیں وہ کب اور کیوں کر یہاں لائی گئی۔ اس کے دماغ پر اب تک ایک غبار سا چھایا ہوا ہے اور اس کے بہکے ہوئے حواس اسے یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہ سب کچھ نیند میں گذر رہا ہے۔

انارکلی ۔ ٹوٹ جا! نیند ٹوٹ جا۔ میں تھک گئی۔ سانس ختم ہو جائیگا۔ میں مر جاؤں گی۔ یہیں نیند میں پھر کیا ہوگا! —— (دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر بیقراری سے سر ہلاتی ہے) صاحب عالم مجھے جگا دو۔ جہاں سو رہی ہوں۔ اس جگہ میرے سینے پر سر رکھ دو۔ میری بھنچی ہوئی مٹھیاں کھولدو۔ مجھے آواز دو۔ آہستہ سے، دل کی دھڑکن میں سانس کی گرمی میں۔ کون سن نہ لے صرف میں سنوں۔ میری انارکلی! میری اپنی انارکلی! میں کہوں!

سلیم! سلیم! سلیم! خواب کی دنیا میں آوازیں مل جائیں۔ تمہاری گود میں آنکھیں کھولدوں۔ میں اپنا خواب سناؤں تم مجھے اپنی آغوش میں لے لو اور قہقہہ لگاؤ۔ تم سے لپٹ جاؤں اور میں بھی قہقہہ لگاؤں اور پھر اکٹھے کوئی سہانا خواب دیکھنے لگیں محبت کا۔ روشنی کا۔ نہکتا ہوا، جگمگاتا ہوا ــــ

(چونک کر سہم جاتی ہے تہ خانے کا اوپر کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی)

کون! اماں میری اماں! اماں میری اماں (دروازے کی طرف جاتی اور اسے دھکیلتی ہے) راستہ نہیں۔ اماں میری اماں! راستہ نہیں

سہم کر سکڑی ہوئی کھڑی ہے۔ کسی کے سیڑھیوں پر سے اترنے کی آواز آتی ہے۔ خطرے کے احساس سے سراسیمہ ہو کر کبھی چھپنے کے لئے کونوں کی طرف بڑھنا چاہتی ہے۔ کبھی بھاگ جانے کو پھر دروازے کی طرف رخ کرتی ہے۔ ایسی کوشش ہے کہ کچھ

سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا کرے منہ سے ایک مدھم سا کانپتا ہوا شور نکل رہا ہے۔ آخر چکر کھا کر گر پڑتی اور بیہوش ہو جاتی ہے۔

ڈیوڑھی میں روشنی اور سائے نظر آتے ہیں۔ ذرا سی دیر بعد سلیم اور اسکے پیچھے پیچھے داروغہ زنداں داخل ہوتا ہے۔ سلیم نے فرغل پہن رکھی ہے۔ داروغہ زنداں نے روشنی کیلئے ایک دوشاخہ اٹھا رکھا ہے۔ اس کی مدھم روشنی میں اس دبلے پتلے سیاہ فام شخص کی کھچڑی داڑھی۔ خضاب نمناک اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں خوفناک معلوم ہوتی ہیں۔ داروغہ زنداں دوشاخہ کو ایک طاق میں رکھ دیتا ہے)

سلیم۔ (مڑ کر) تم باہر ٹھیرو۔

داروغہ۔ (تامل سے) میں نے اس کا وعدہ نہ کیا تھا۔

سلیم۔ میں نے تنہا ملاقات کرنے کی قیمت ادا کی ہے۔

داروغہ۔ تنہائی میں ملاقات انمول ہے۔

سلیم۔ ملاقات یونہی ہو گی۔ تمہیں قیمت سوچنے کی پھر اجازت ہے۔

داروغہ۔ یہ میری موت اور زندگی میرے خاندان کی راحت و رسوائی کا سوال ہے۔

سلیم۔ (درشتی سے) میں سمجھ سے کام لوں گا۔

داروغہ۔ (تامل سے) مجھے بہت شبہ ہے۔

سلیم (کڑک کر) کمینے تو سمجھتا ہے۔ مجھے پیاسا لوٹا دے گا۔ ترسا پھیر دے گا۔

داروغہ۔ میں بے بس ہوں۔

سلیم۔ میں ولی عہد ہوں اور تمہاری اس بد معاملگی کی داستان شہنشاہ کے کانوں تک پہنچانے کے بہت سے ذریعے ابھی تک رکھتا ہوں۔

داروغہ۔ (مرعوب ہو کر) صاحب عالم!

سلیم۔ (حقارت سے) باہر جا!

داروغہ (جاتے جاتے) لیکن صاحب عالم مجھے معلوم ہے۔ انارکلی کے متعلق اپنے فرائض کی کوتاہی سے زیادہ کسی داستان کا ظل الٰہی کے کانوں تک پہنچنا خطرناک نہیں۔

سلیم (ان سنی کر کے) اس وقت لوٹ جب میں پکاروں۔

داروغہ۔ (ڈیوڑھی ہی سے) میں اس وقت لوٹوں گا۔ جب فرض مجھے پکاریگا۔

(داروغہ تہ خانہ کی سیڑھیوں کی طرف مڑ جاتا ہے)

سلیم۔ (غصہ سے) کمینہ بدمعاش! (مڑ کر ادھر ادھر انارکلی کو دیکھتا ہے) انارکلی! انارکلی! تم کہاں ہو؟ آگے بڑھتا ہے (انارکلی سے ٹھوکر لگتی ہے) خداوندا! زمین پر! (جلدی سے بیٹھ جاتا ہے) زندہ ہو نا؟ (ہلا کر) انارکلی! انارکلی! (اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیتا ہے) انارکلی بولو! آنکھیں کھولو۔ ہوش میں آؤ انارکلی!

انارکلی۔ (بولتی ہے مگر آنکھیں بند ہیں) صاحب عالم — صاحب عالم۔ یہ تمہیں ہو — میں نے پہچان لیا — تمہاری آواز سن رہی ہوں پکارو — اور زور سے — جھنجھوڑو!

سلیم۔ انارکلی! میری جان جاگو۔ دیکھو تمہیں سلیم جگا رہا ہے۔ تمہارا سلیم!

انارکلی۔ (نیم وا آنکھوں) میں جانتی تھی — تم مجھے جگاؤ گے — اس گرم نیند سے — اپنی ٹھنڈی گود میں — اپنے شاہی محل میں جگاؤ گے — کیسی پیاری بات! — پر اب تک تم کہاں تھے؟ — میں اس تپتی اور جھلستی ہوئی نیند میں — روتی رہی — چیختی رہی — تمہیں پکارتی رہی۔

سلیم۔ (ہلا کر) انارکلی اب تک بے ہوش ہو۔ جاگو۔ میری روح جاگو!

انارکلی۔ جاگ گئی۔ تم سے بول نہیں رہی۔ تمہاری آواز سن نہیں رہی۔ میرے ہوش و حواس تو تم ہو۔ تمہارے ہوتے میں کیوں بیہوش ہونے لگی۔

سلیم۔ (پریشانی سے اسے تکتے ہوئے) انارکلی تم دیوانی ہو گئی ہو؟

انارکلی۔ (بیٹھ جاتی ہے) تم سے کس نے کہا؟ ظلم کے ان کلوں نے جو میرے رونے پر ہنستے تھے۔ کھِل کھلاتے تھے۔ قہقہے مارتے تھے درندے!

(انگلی ہونٹوں پر رکھ کر) چپ چپ دیکھو سنو! ویران نیند میں سے ان کے قہقہوں کی گونج آ رہی ہے۔ (سہم کر سلیم سے چمٹ جاتی ہے) میرے پاس سے نہ جانا۔

صاحب عالم نہ جانا۔ وہ مجھے جیتا نہ چھوڑیں گے۔ مار ڈالیں گے۔ چھری بھونک کر گلا گھونٹ کر۔ گھور کر صرف کھلکھلا کر!

سلیم۔ (سراسیمگی سے) انار کلی خدا کے لئے ہوش میں آؤ۔ محبت کا واسطہ ہوش میں آ جاؤ۔ میرے دماغ کے تار بہت تن چکے ہیں۔

انار کلی۔ (سلیم کا منھ تکتے ہوئے) میں کیا کروں، کچھ کہو تو۔ تم صرف حکم دو کنیز مانے گی۔

سلیم۔ مضطرب ہو کر ادھر ادھر دیکھتا ہے کیا کرے۔ پھر بے بسی کے عالم میں انار کلی کا منھ تکنے لگتا ہے) انار کلی یاد کرو کیا ہوا تھا۔ میرے ساتھ مل کر یاد کرو کیا ہوا تھا۔ جہاں مجھ کو چھوڑا تھا۔ وہیں سے مجھ کو ساتھ لو۔

انار کلی۔ کہاں سے؟

سلیم۔ (ہاتھ اس کے گرد ڈال کر) تمہیں جشن کی رات یاد ہے؟

انار کلی۔ (سوچتے ہوئے) جشن کی رات؟ — ہاں ہاں وہ، ان تھے میری عمر بھر کی آرزو روشنیوں اور خوشبوؤں میں سلیم بنکر بیٹھی ہوئی تھی — اور میں تھی — بس تم تھے اور میں تھی — میں تھی اور تم تھے — میں گا رہی تھی تم مسکرا رہے تھے۔ میں ناچ رہی تھی تم جھوم رہے تھے اور جنت زمین پر اتر آئی تھی — کاش میں اسی جنت میں گیت اور ناچ بنکر رہ جاتی!

سلیم۔ ہاں ہاں اور پھر؟

انار کلی۔ اور پھر؟ — ہاں جیسے جہنم کا سب سے گہرا اور اندھیرا غار پھٹ پڑا کالے اور اندھیرے دھوئیں نے ہمیں ایک دوسرے سے کھو دیا۔ اور شعلوں کی پتلی پتلی لمبی لمبی اور بے قرار زبانیں لپک پڑیں۔ میرا دم گھٹ کر رہ گیا اور —"

سلیم۔ اور تمہیں نہیں معلوم یہ کیا ہوا تھا؟

انار کلی۔ (سلیم تکتے ہوئے) تم بتاؤ؟

سلیم۔ ظل الٰہی نے ہم دونوں کو محبت کے اشارے کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ یاد نہیں۔ ان کی وہ گرج "ہو"

انارکلی ۔ (سوچتے ہوئے) یاد آگیا۔ یاد آگیا۔ آسماں پھٹ پڑا تھا۔ پناہ ! پناہ !!!

سلیم ۔ اور پھر وہ حبشی غلام۔ اس کا تم کو گرفتار کرنا۔

(انارکلی سکڑ کر سلیم کے ساتھ لگ جاتی ہے)

اور پھر وہ تمہیں یہاں قید خانہ میں ڈال گئے۔

انارکلی ۔ قید خانے میں؟ (ادھر ادھر دیکھ کر) ہم کہاں ہیں؟ قید خانے میں۔ مجھے یاد آگیا۔ (پیشانی پر ہاتھ رکھ لیتی ہے) میرے دماغ پر کیا آگیا تھا۔ یونہی ہے۔ یونہی ہے سب کو معلوم ہو چکا۔ یونہی ہونا تھا۔ میں قید میں ہوں۔ میری ثریا بھی قید میں ہوں (سر جھکا لیتی ہے) تم بھی قید ہو گیا صاحب عالم؟

سلیم ۔ (دروازے پر ایک نظر ڈال کھڑا ہو جاتا اور اپنے ساتھ انارکلی کو بھی کھڑا کر لیتا ہے۔ میں تمہیں لے جانے کو آیا ہوں

انارکلی ۔ ظل الٰہی مان گئے۔ مجھے تم کو دے ڈالا؟

سلیم ۔ نہیں، میں ان کی چوری سے تمہیں بھگا لے جانے کو آیا ہوں۔

انارکلی ۔ بھگا لے جانے کو؟

سلیم ۔ وہ تمہیں مار ڈالیں گے

انارکلی ۔ مار ڈالیں گے (سوچتے ہوئے) اور پھر نعش رہ جائیگی (لجاجت سے) نہیں نہیں میری جان کیوں لیتے ہیں۔ میں نے کیا کیا ہے؟ میں تمہیں چاہتی ہوں اسلئے؟ اور تو کچھ نہیں چاہتی، مجھے چاہنے دیں۔ میں چاہتی رہوں گی صرف چاہتی رہوں گی اور چاہتی چاہتی آپ ہی مر جاؤں گی۔

سلیم ۔ (جوش سے) یہ ناممکن ہے۔ تم میرے ساتھ بھاگ کر جاؤ گی۔

انارکلی ۔ کہاں؟

سلیم ۔ جہاں ظل الٰہی کی شعلہ بار نظریں نہیں پہنچ سکتیں۔ جہاں ان کی پیشانی کی شکنوں کا سایہ نہیں پڑ سکتا۔ جہاں محبت آزادی کے سانس لیتی ہے محبت ہنستی ہے۔ محبت کھیلتی ہے۔

انارکلی۔ (سوچتے ہوئے) ایسی جگہ! ایسی جگہ!

سلیم۔ (جذبات سے بیتاب ہو کر انارکلی کو بازوؤں میں لے لیتا ہے) تو میرے دل کے سنگھاسن پر بیٹھ کر حکومت کرے گی۔ تو میری دنیا کی ملکہ ہو گی اور میں تیری دنیا کا غلام! اور وہاں رنگین جھاڑیوں کی معطر ٹھنڈک میں جہاں جہاں کلیاں لجا کر رہی جا رہی ہوں گی۔ اور چاند محبت کی سوچ میں چپ چاپ ختم گیا ہوگا۔ مفرور عاشق تھکے ہوئے چاہنے والے آرام کریں گے تو میرے زانو پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر کے لیٹے گی۔ اور صرف میرے سانس میں محبت کو سنے گی اور جب تو مسکرا کر آنکھیں کھولے گی تو چاند ہنستا ہوا چل دیگا۔ کلیاں کھلکھلا کر ہم پر گرنے لگیں گی اور پھولوں کے نرم اور معطر ڈھیر کے نیچے دو دھڑکتے ہوئے دل دب جائیں گے۔

انارکلی۔ (بے تابی سے) چلو! کدھر کو چلو۔ وہاں کا کونسا راستہ ہے؟

سلیم۔ (فرغل میں سے تلوار نکال کر) وہ یہاں ہے۔

انارکلی۔ (ڈر جاتی ہے) تلوار! خودکشی! دوسری دنیا میں۔ یہاں نہیں؟

سلیم۔ یہاں یا وہاں

انارکلی۔ (گھبرا کر) وہ تمہیں پکڑ لیں گے۔ مجھے تم سے چھین لیں گے۔ محبت بچھڑ جائیگی۔ پھر کیا ہوگا۔

سلیم۔ تقدیر یہی جانتی ہے۔

انارکلی۔ (سلیم کے ساتھ لگ کر) یوں نہ کرو۔ یوں نہ کرو تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے میں کیا کروں گی؟ یوں نہیں۔ یوں نہیں۔ اس میں خطرہ ہے۔ نہ جانے کیا ہے

سلیم۔ ہم اکٹھے مرنے کو بھی تیار ہیں۔ تیار ہیں انارکلی؟

انارکلی۔ (کچھ دیر سلیم کا منہ تکتی رہتی ہے) ہاں تیار ہیں۔

سلیم۔ تو آؤ میرے بازوؤں میں آؤ۔ میں تمہیں اس زندان اور قلعے میں سے خون کی کیچڑ میں سے گذار لے جاؤں گا۔ باہر برق رفتار گھوڑے ہمارے

منتظر ہیں اور باقی تقدیر جانتی ہے۔

(سلیم بازو کھول دیتا ہے۔ انار کلی اس سے لپٹ جاتی ہے۔ وہ دائیں ہاتھ انار کلی کے گرد ڈالے ڈرانہ دیوڑھی کی طرف بڑھتا ہے یک لخت سیڑھیوں پر سے کسی کے اترنے کی آواز آتی ہے)

داروغہ۔ ہانپتا کانپتا دیوڑھی میں داخل ہوتا ہے اس قدر خوف زدہ اور سراسیمہ معلوم ہوتا ہے کہ بات نہیں کر سکتا۔

سلیم۔ تو آ گیا کمینے! انار کلی کو مجھ سے چھین نے

داروغہ۔ (بے انتہائی پریشانی کے عالم) نہیں نہیں اور بات ہے۔

سلیم۔ کیا ہے؟

داروغہ۔ میں اور آپ دونوں خطرے میں ہیں۔

کیسے؟

ظلِ الٰہی اِدھر آ رہے ہیں۔

انار کلی آنکھیں پھاڑے داروغہ کو تک رہی تھی اور ظلِ الٰہی کا نام سنتے ہی ایک آہ بھر کر بیہوش ہو جاتی ہے۔ سلیم کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے بیہوش انار کلی کو سنبھال رکھا ہے۔

سلیم۔ (گھبرا کر) ظلِ الٰہی! کون کہتا ہے؟

داروغہ۔ چوکیدار خبر لایا ہے۔

سلیم۔ کیوں آئے؟ (سوچ میں پڑ جاتا ہے) انار کلی کی جان لینے کو۔

داروغہ۔ نہیں قیدیوں کے معائنے کے لئے۔

سلیم۔ جھوٹ! رات کو معائنہ؟ وہ جان لینے کو آئے ہیں۔ مار ڈالنے کو۔

داروغہ۔ اس وقت سزا نہیں ہو سکتی۔

سلیم۔ (تن کر کھڑا ہو جاتا ہے) آنے دو جو ہو سو ہو۔

داروغہ۔ (داروغہ دو زانو ہو کر اور ہاتھ جوڑ کر) مجھے بچا لیجئے صاحب عالم! اللہ چلیے

جائیے۔ انھوں نے آپ کو یہاں دیکھ لیا۔ تو میں سزا پاؤں گا مار ڈالا جاؤں گا۔ میرے بچے دنیا میں لاوارث رہ جائیں گے۔ ہم سب برباد ہو جائیں گے دیروں کو ہاتھ لگا کر) چلے جائیے۔ للہ چلے جائیے۔

سلیم۔ اور انار کلی کو تم خونی بھیڑیوں کے رحم پر چھوڑ جاؤں ؟

داروغہ۔ اس کا بال بھی بیکا نہ ہونے پائے گا۔

سلیم۔ مجھے اعتبار نہیں۔

داروغہ۔ (سلیم کے قدموں میں سر رکھ کر) رات کو سزا نہیں ہو سکتی !

سلیم۔ (متفکر نظروں سے) میرا اطمینان نہیں ہو سکتا۔

داروغہ۔ میں خدا اور اس کے رسول کے سامنے کہتا ہوں رات کو سزا نہیں ہو سکتی۔

سلیم۔ (تذبذب کی پریشانی میں اس کا منہ تکتے ہوئے) آج رات کے بعد مجھے یہاں آنے کا موقع نہیں مل سکتا۔

داروغہ۔ (سینے پر ہاتھ رکھ کر) میں موقع دوں گا۔

سلیم۔ (اسے شبہ کی نظروں سے تکتے ہوئے) کب ؟

داروغہ۔ (کھڑے ہو کر) آج ہی رات میں۔

سلیم۔ (سر کے جنبش نفی سے) تیری زبان بدل سکتی ہے

داروغہ۔ میری بدمعاملگی کی داستان ظل الہیٰ تک پہنچ سکتی ہے۔

سلیم۔ (پس و پیش کے عالم میں) میری نظروں میں برے برے شگون پھرتے ہیں۔

داروغہ۔ مضطرب ہو کر ڈیوڑھی میں جاتا اور لوٹ کر آتا ہے) صاحب عالم! جلدی کیجئے آپ کو یہاں رہنا ہے تو مجھے جان بچا کر بھاگ جانے دیجئے۔ ظل الہیٰ یہاں آئیں تو صرف آپ کو اور انار کلی کو پائیں (مایوسی سے سر ہلا کر) لیکن پھر بھی برباد ہو جاؤں گا۔ میں کیسے اپنے بے خبر بال بچوں کو ساتھ لیکر بھاگ سکوں گا (سر پیٹ کر) میری غریب بیوی معصوم بچے تمہیں کیا معلوم تم صبح کو آنکھ کھولو گے تو کیا خبر سنو گے۔ میں لٹ گیا۔ میرے اللہ! میرے شہزادے میں

ٹ گیا (زمین پہ بیٹھ کر رونے لگتا ہے)

سلیم۔ تو سچ کہتا ہے مجھے پچھتانا نہ ہوگا۔

داروغہ۔ (کھڑے ہو کر آنسو پونچھتے ہوئے) مجھے اسوقت بچا لیجئے۔ میں آپکی ضرور مدد کروں گا۔

سلیم۔ کیسے؟

داروغہ۔ آپ اوپر میرے حجرے میں ٹھہریئے۔ ظل الٰہی کے رخصت ہو جانیکے بعد میں دروازہ کھلا چھوڑ کر ان کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ آپ نیچے آ جائیگا اور انارکلی کو اٹھالے جائیگا۔ ظل الٰہی اسے میری بھول کا نتیجہ سمجھیں گے۔ آپ انارکلی کو بچا لیں گے میرا قصور بھی تھوڑی سی سزا پر ٹل جائیگا۔

سلیم۔ (توقف کے بعد) تو جو کہہ رہا ہے۔ یہی کرے گا!

داروغہ۔ (سر جھکا کر) مگر میں غریب اہل وعیال والا ہوں تنخواہ ....

سلیم۔ (بات کاٹ کر) تو کسی چیز کا محتاج نہ رہے گا۔

(پھر کسی کے سیڑھیوں پر سے اترنے کی آواز آتی ہے۔ داروغہ لپک کر ڈیوڑھی میں جاتا ہے)

سپاہی۔ (سیڑھیوں ہی میں سے) داروغہ صاحب ظل الٰہی آپہنچے (واپس جاتا ہے

سلیم۔ (گھبرا کر) تو اپنے لفظوں پر قائم رہے گا۔

داروغہ۔ (جلدی سے اندر آکر) خدا اور اس کا رسول شاہد ہیں۔

سلیم۔ میں کہاں جاؤں؟

داروغہ۔ (ڈیوڑھی میں جاتے ہوئے) میرے ساتھ آیئے۔

سلیم۔ (انارکلی کو فرش پہ لٹا کر) میری راحت۔ میری ٹھنڈک۔ یہاں آرام کر خدا اور اس کے فرشتے محافظ ہوں۔

(آگے آگے داروغہ اور پیچھے پیچھے سلیم جاتا ہے۔ سیڑھیوں پر سے ان کے قدموں کی آواز غائب ہونیکے تھوڑی دیر بعد انارکلی ہوش میں آتی ہے)

انارکلی۔ (لیٹے لیٹے) صاحب عالم! ہم پہنچ گئے؟ —— کہاں ہیں؟ —— اندھیرا کیوں ہے؟ —— چاند کہاں گیا؟ —— یہاں تو نہ کوئلوں کی کوک ہے نہ پھولوں کی خوشبو!

—— تمہارا دل کہاں دھڑک رہا ہے؟ —— کہو تو؟ —— بولو نہ؟ —— چپ کیوں ہو؟ (ٹھیکر) ہائے زنداں ہے وہی جہنم اور تم جہیں اور میرے سلیم تم نہیں۔ آجاؤ۔ یہیں جنت بن جائے گی بس تم آجاؤ اور کہیں نہ جاؤ یہیں گے یہیں گلے میں بانہیں ڈالکر۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر دم توڑ دینگے آجاؤ تمہاری انارکلی تمہیں دیکھے بغیر نہ گذر جائے۔

(سیڑھیوں پر سے پھر کسی کے اترنے کی آواز آتی ہے۔ انارکلی خوف کے مارے کھڑی ہوکر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کی طرف تکتی ہے،

داروغہ زنداں آتا ہے اور کواڑ بند کرکے ایک قہقہہ لگاتا ہے)

انارکلی۔ (ڈرتے ڈرتے) صاحب عالم کہاں ہیں؟

(داروغہ کچھ جواب نہیں دیتا۔ ایک اور قہقہہ لگاتا ہے اور سیڑھیوں پر چڑھ جاتا ہے)

انارکلی۔ (دوڑتی ہے اور دروازے پر جاکر دیوانہ وار اسے ڈھکیلنے کی کوشش کرتی ہے۔ روتے ہوئے) صاحب عالم! صاحب عالم (چلاکر) شہزادے! شہزادے! (ہانپتے ہوئے) سلیم! سلیم! (بے دم ہوکر) میری اماں! میری اماں! (بیہوش ہوکر دروازے کے سامنے اوندھی گر پڑتی ہے)

"پردہ"

منظر سوم

اکبر کی خواب گاہ۔ اسی رات اور تقریباً اسی وقت۔

ایک مختصر مگر تکلف سے آراستہ حجرہ جس کی چھت ماہی پشت انداز کی ہے۔ دیواروں کا بیشتر حصہ قرمزی مخمل کے بھاری بھاری پردوں سے جن پر سیاہ ریشم سے بڑے بڑے نقش بنے ہیں چھپا ہوا ہے صرف سامنے کی دیوار کے درمیانی حصے پر سے پردے سرکے ہوئے ہیں جہاں ایک خوشنما وضع جالیدار محراب ہے محراب ... کے جھروکے میں سے نیلے آسمان پر چند تارے ٹمٹماتے نظر آرہے ہیں۔ ایرانی قالینوں کے فرش پر تانبے کے رنگ کا پلنگ پوش پڑا ہے۔ سرہانے ایک ہشت پہلو میز پر تلوار اور دو شاخہ رکھا ہے۔ بائیں طرف ایک بیش قیمت تخت پر زری کے کام کی مسند بچھی ہے اور اس پر تکیئے رکھے ہیں دائیں بائیں دیوار کے ساتھ بچھی چوکیوں پر

زریں پھول دانوں میں رتن مالا اور کرن پھول کی رنگینیوں میں سے پاٹل، نواری اور نرگس کے پھول ابھر ابھر کر عطر بیز ہیں۔ کمرے کے درمیان میں اکبر ایک کشمیری فرغل پہنے ہاتھ ایک ہشت پہلو منبر پر ٹکائے کھڑا اسے گھور رہا ہے۔ پیچھے تخت پر رانی بیٹھی ہے۔

رانی۔ مہاراج۔ تم کیجئے۔ پہلے میری التجا تھی اسکو چھوڑ دیجئے۔ اب میری فرمائش ہے انارکلی کو چھوڑیئے

اکبر۔ انارکلی کو سلیم کے لئے یہ تم کہہ رہی ہو رانی؟

رانی۔ سب کچھ سوچ کر۔ سب کچھ سمجھ کر۔ سب پہلوؤں پر غور کر کے ــــــ

اکبر۔ تمہارا مشورہ ہے کہ میں اپنی زندگی کے تمام خواب چکنا چور کر ڈالوں۔ وہ خواب جو میرے دنوں کا پسینہ۔ میری راتوں کی نیند۔ میری رگوں کا لہو۔ میری ہڈیوں کا مغز ہیں۔ تمہارا مشورہ ہے کہ میں ان سب کو چکنا چور کر ڈالوں۔

رانی۔ کچھ کہنا چاہتی ہے۔ مگر نہیں کہتی۔ سر جھکا لیتی ہے) اولاد کیلئے کیا کچھ نہیں کیا جاتا؟

اکبر۔ (دبے ہوئے جوش سے) کیا کچھ نہ کیا گیا۔

رانی۔ (سر جھکاتے ہوئے) پھر اب بھی ہم کیوں نہ صرف ماں اور باپ کا حق ادا کریں۔

اکبر۔ اور اس سے کب تک اولاد کے فرض کی امید نہ رکھیں؟

رانی۔ (سر اٹھا کر) کیوں امید رکھیں۔ ہمیں تو تھے جو اولاد کی آرزو میں سائے کی طرح اداس پھرتے تھے ہمیں) تو تھے جو اولاد پاکر دونوں جہان حاصل کر بیٹھے تھے اور ہمارے ہی لئے اس کا ایک تبسم زندگی کے تمام زخموں پر مرہم تھا۔ ہم تو صرف اس لئے اسکی تمنا کرتے تھے کہ اس سے ہمارا ویران دل آباد ہو اور ہم اپنی موت کے بعد بھی اس میں زندہ رہ سکیں پھر اس سے توقع کیسی؟

اکبر۔ تم ماں ہو۔ صرف ماں۔

رانی۔ (جلکر کھڑی ہو جاتی ہے۔ ضبط کی کوشش کرتی ہے) مگر نہیں رہا جاتا۔ پھٹ پڑتی ہے) میں خوش ہوں کہ میں صرف ماں ہوں اور مجھ کو رنج ہے کہ آپ شہنشاہ ہیں صرف شہنشاہ

اکبر۔ (منہ موڑتے ہوئے) ہم اسے محبت کی غیر ضروری نرمی سے بگاڑنا نہیں چاہتے۔

رانی۔ (جز بز ہو کر) سختی ایک نوجوان اور جوشیلی طبیعت کو سنوار نہیں سکتی۔

اکبر۔ سرہلاتا ہوا مینز کے دوسری طرف چلا جاتا ہے) لیکن اسے سنوارنا ہی ہوگا۔ سنورے بغیر
اس کا قدم ہندوستان کے تخت کو نہیں چھو سکتا۔

رانی۔ وہ آپ کے ہندوستان کے تخت کو جہنم سمجھتا ہے۔ جہاں انارکلی ہو وہ جگہ اسکی جنت ہے۔

اکبر۔ (مڑکر رانی کو دیکھتا ہے) یہاں تک؟

رانی۔ اس کی رگوں میں خون جوانی کے گیت گا رہا ہے اور جوانی کی نظروں میں ہندوستان
ایک عورت سے زیادہ قیمت نہیں رکھتا۔

اکبر۔ (رانی کو تکتے ہوئے) ہندوستان ایک عورت سے سستا ہے؟

رانی۔ وہ یہی کہتا ہے۔

اکبر۔ خود سلیم؟

رانی۔ خود سلیم۔

اکبر۔ (سامنے مڑکر ہاتھ پیشانی پر رکھ لیتا ہے) آہ میرے خواب! وہ ایک عورت کے عشوؤں
سے بھی ارزاں تھے! —— فاتح ہند کی قسمت میں کنیز سے شکست کھانا لکھا تھا۔

رانی۔ (سر جھکا کر خاموش ہو جاتی ہے۔ ذرا دیر بعد سر اٹھاکر) جو ہو چکا بدل نہیں سکتا جو آنے
والا ہے اسے سدھار دیجئے!

اکبر۔ (مایوسی کے قلق اور غصے سے) اور کیا آئے گا؟ میرے دل کو اجاڑ دینے کے بعد وہ میرے
جسم کو بھی ویران کر ڈالنے کا آرزومند ہے؟

رانی۔ کیا کہتے ہیں مہاراج! یہ سوچنے سے پہلے وہ اپنی جان گنوا ڈالے گا۔

اکبر۔ (غم سے سر جھکا کر) اسکے وہی معنی ہیں۔ ہم، ہماری آرزوئیں ہماری راحت ہماری
زیست سب اس کے لئے بے معنی لفظ ہیں اس کا سب کچھ انارکلی ہے اس
کے دل میں ماں باپ کی یہ قدر ہے۔

رانی۔ اس کے دل میں اپنی محبت کا اندازہ اس کی موجودہ حالت سے نہ لگایئے یہ جنون
آرام سے گذر جانے دیجئے۔ اور پھر دیکھئے سلیم کیا بن جاتا ہے۔

اکبر۔ (رانی کو تکتے ہوئے) اور یہ جنون کس طرح گذرے گا۔

رانی۔ چڑھا ہو دریا بند لگانے سے نہ رُکے گا۔ اسے انار کلی کو لے لینے دیجیے وہ اُسے اپنی بیگم بنا لے۔ انار کلی کا ہو کر وہ ہمارا سلیم بن جائے گا۔

اکبر۔ (کچھ دیر سامنے دیکھتے رہتا ہے) اسے اپنا بنانے کیلئے ایک کنیز کا ممنونِ احسان نہیں بننا چاہتا (توقف کے بعد) جو کچھ وہ چاہتا ہے اسے کرنے دو اور جو کچھ میں چاہوں گا۔ میں کروں گا۔

رانی۔ (مایوس ہو کر چلتی اور ریلنگ کے قریب پہنچکر رک جاتی ہے) میں پھر کہوں گی۔ آپ صرف شہنشاہ ہیں۔ صرف شہنشاہ۔

اکبر۔ (خاموش کرنے کو ہاتھ اٹھا کر) ہم اور کچھ نہیں سننا چاہتے۔ ہم سوچیں گے اور کل صبح انار کلی کا فیصلہ۔"

(انار کلی کی ماں دیوانہ وار اندر گھس آتی ہے)

ماں۔ انار کلی کا فیصلہ! میری غریب بچی کا فیصلہ! اسے بخش دے ظلِ الٰہی! اے شہنشاہ! اے غریبوں کی قسمت کے والی!

اکبر۔ (حیرت اور غصے سے) بغیر اجازت یہاں آنے کی جرأت!

ماں۔ (دوزانو ہو کر) بندے خدا کے حضور میں بغیر اجازت جا سکتے ہیں۔ اور تو خدا کا سایہ ہے۔ مہربان شہنشاہ ہے۔ اور میری بچی ہے۔ میری زندگی کی آس ہے خطاوار ہے۔ مگر تو کریم ہے۔ گنہگار ہے۔ مگر تو رحیم ہے بخشدے لِلّٰہ۔ اس کو بخشدے۔

اکبر۔ جاؤ اور فیصلے کا انتظار کرو۔

ماں۔ میں کہاں جاؤں شہنشاہ مجھے کہیں قرار نہیں۔ رانی تم عورت ہو۔ (اٹھ کر رانی کے پاؤں پکڑ لیتی ہے) بچے کی ماں ہو۔ ان دکھیوں کو جانتی ہو۔ میں تمہارے پیروں کو چومتی ہوں کہدو۔ مجھے مار ڈالیں۔ میں دنیا سے بیبر ہو چکی میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ مگر اس بات ادنے دنیا کا کچھ نہیں دیکھا۔ اسے بخش دیں۔

اکبر۔ (دروازہ کی طرف رخ کر کے) اسے لے جاؤ۔

خواجہ سرا داخل ہو کر اسے اٹھاتے ہیں۔

ماں۔ میں یہیں جم کر رہ جاؤں گی۔ یہیں ہوش و حواس کھو بیٹھوں گی۔ مجھے ہاتھ پھیلانے دو۔ خون کو خون کیلئے التجا کر لینے دو۔ شاید وہ بچ جائے۔ میری جان! میرے جگر کا ٹکڑا۔ میری نادرہ (خواجہ سرا لیجانے کو کھینچتے ہیں۔)

رانی تم بولو۔ شہنشاہ ایک رحم کی نظر ڈالو یہ بڑھیا جی اٹھے گی۔

اکبر سر جھکائے خاموش کھڑا رہتا ہے)

ظالمو نہ کھینچو۔ رحم! رحم! الہٰی تو ہی سن۔ ظل الہٰی نہیں سنتا۔ اے آسمان پھر تو ہی مدد دے۔ رانی مدد نہیں کرتی۔ انکے دلوں کو نرم بنا۔ کہ انھیں میرا دکھ معلوم ہو سکے۔

(اکبر بیقراری سے سر ہلاتا ہے۔ خواجہ سرا انارکلی کی ماں کو زور سے کھینچتے ہیں)

ہائے مجھے یوں نامراد نہ لیجاؤ میں یہاں سے نکلتے ہی دم توڑ دوں گی یہ منصف آسمان گر پڑے گا۔ اس کا اس قہر کا انتقام لے گا۔

خواجہ سرا چیختی چلاتی کو زبردستی لے جاتے ہیں۔ پیچھے پیچھے رانی آنسو پونچھتی ہوئی خاموش چلی جاتی ہے۔

اکبر۔ (توقف کے بعد سر آسمان کیطرف اٹھاکر) نامراد باپ اور مایوس شہنشاہ کو بیتے خواب تمام ہوئے (آنکھیں بند کر کے سر جھکا لیتا ہے) دنیا سے، واقعات سے، اور تقدیر تک سے لڑنے کے بعد کون جانتا تھا۔ مجھ کو یہ دردانگیز مرحلے طے کرنا پڑیگا۔ گہری آہ بھر کر) جس کے لئے خود سب کچھ کیا تھا اس سے اپنی اولاد سے اپنے شیخو سے الجھنا ہوگا (توقف کے بعد بے قراری سے) یاس! یاس! ہندوستان کیوں اور جہانبانی کی آرزو کیوں؟ (سوچتے ہوئے ملول نظروں سے) اس کیلئے جس نے ایک حسینہ کی آنکھوں پر باپ کو فروخت کر ڈالا! اسکو باپ نہیں چاہیے باپ کی محبت نہیں چاہیے، باپ کا ہندوستان نہیں چاہیے ۔۔ وہ صرف انارکلی کو لے گا۔ ایک کنیز کو جو اسے انداز دکھائے۔ اسکے سامنے ناچے اور ادا سے اشارے کنائے کرے (ہاتھ پیشانی پر رکھ لیتا ہے) آہ میرے خواب! میرے خواب! (انتہائی مایوسی کے عالم میں مڑ کر تخت تک پہنچ گیا ہے اور اسکے قریب

خاموش کھڑا ہو جاتا ہے) کل رات وہ اپنی جنت میں تھا۔ اگر دلآرام نہ دکھائی ۔ کہاں ہے وہ؟ وہ ضرور کچھ زیادہ جانتی ہوگی (مڑکر تالی بجاتا ہے) (خواجہ سرا داخل ہوتا ہے)

دلآرام!

(خواجہ سرا الٹے پاؤں واپس جاتا ہے)

(تخت پر بیٹھ کر) میرے ہی بیٹے کی محبت اگر ایک کنیز چاہے تو مجھ کو بخش سکتی ہے۔ آہ شیخو! تم اکبر کی کنیز کو ہی اسکے سینے پر سجانا چاہتے ہو۔ انتہائی صدمے کے مارے سر جھکا لیتا ہے

(دلآرام داخل ہو کر مجرا بجا لاتی ہے)

اکبر۔ (کچھ دیر جیسا اسے دیکھتا رہتا ہے) لڑکی! تجھے شیخو اور انارکلی کے کیا تعلقات معلوم ہیں؟

دلآرام۔ (سراسیمگی سے) ظل الٰہی کچھ نہیں۔

اکبر۔ جواب دینے سے پہلے سوچ۔

دلآرام۔ میں نے سچ کہہ دیا۔

اکبر۔ (پرمعنی انداز میں) تو نے سچ نہ کہا تو تجھ سے سچ کہلوایا جائے گا۔

دلآرام۔ (سہم کر) ظل الٰہی! ظل الٰہی!

اکبر۔ ایک لفظ نہیں جو کچھ ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اسکے سوا ایک لفظ نہیں۔

دلآرام۔ بڑھ کر دوزانو ہو جاتی ہے، لجاجت سے) میں کچھ نہیں جانتی۔

اکبر۔ (دلآرام کی گردن دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر) کمینی جھوٹ! تو نے دکھایا صرف تو دیکھ سکتی تمام جشن میں سے صرف تو۔ جو اس وقت ہمارے حضور میں موجود تھی جو سب سے زیادہ مضطرب تھی تو جانتی تھی۔ مجھے اسکی توقع تھی کہنا ہوگا سب کچھ جو تو جانتی ہے ورنہ کہلوایا جائیگا۔

دلآرام۔ مجھے بخشدیجئے! مجھے بخشدیجئے!!

اکبر۔ تیرا دوسرا غیر ضروری لفظ پوچھنے کے ذرائع تبدیل کر دے گا۔

دلآرام۔ (سہمی ہوئی آواز میں) وہ مجھے برباد کر ڈالیں گے۔ ظل الٰہی کے عتاب میں لے آئینگے۔

اکبر۔ کون۔

دلآرام۔ (ادھر ادھر دیکھ کر) صاحب عالم!

اکبر۔ وہ جرات نہیں کر سکتا (دلارام کی گردن چھوڑ دیتا ہے)

دلارام۔ (اکبر کے پیروں کو ہاتھ لگاکر، ان کی دہمکی خوفناک تھی۔ افشائے راز کی سزا موت سے بھی زیادہ ہولناک تھی۔

اکبر۔ کیا؟

دلارام۔ مجھ پر وہ جھوٹا الزام لگایا جائیگا جو اقبات نے انارکلی پر لگایا ہے

اکبر۔ کہ تو سلیم کو چاہتی ہے؟

دلارام۔ اور محبت کی مایوسی نے مجھے یوں انتقام لینے پر آمادہ کیا۔

اکبر۔ تو ہمارے سایہ عاطفت میں ہے بول!

دلارام۔ (کھڑی ہو کر ادھر ادھر دیکھتی ہے) وہ رات کو باغ میں ملتے تھے۔ اور ملاقاتیں خطرناک ارادوں سے بھری ہوتی تھیں۔

اکبر۔ (دلارام کو تکتے ہوئے) وہ ارادے؟

دلارام۔ (لجاجت سے) مجھے جرات نہیں پڑتی۔

اکبر۔ (کڑک کر) کہے جا!

دلارام۔ (تامل کے بعد) وہ ظل الہیٰ کے دشمنوں پر آنچ لانے اور ہندوستان کے تخت پر قبضہ پانے کی تجویزیں کرتے تھے۔

اکبر۔ (دلارام پر یوں نظریں گاڑ کر گویا سب کچھ اسکے جواب پر منحصر ہے) شیخو بھی؟

دلارام۔ انارکلی صاحب عالم کو اس پر آمادہ کرتی تھی۔

اکبر۔ (گرج کر) تو جھوٹ بول رہی ہے جھوٹ!

دلارام۔ (پیروں پر گر کر) ظل الہیٰ کے حضور میں زبان سے جھوٹ نہیں نکل سکتا۔

اکبر۔ اس سے انارکلی نے کیا کہا —؟

دلارام۔ ایک طرف باپ ہے اور دوسری طرف محبوب دونوں میں سے جو پسند ہو چن لو۔

اکبر۔ (بالوں سے پکڑ کر دلارام کا منھ اوپر کرتا ہے) اور شیخو نے دونوں میں سے محبوب کو پسند کیا!

دلارام۔ وہ کھوئے سے گئے مگر انارکلی رو پڑی۔ وہ اٹھے اور ان کا ہاتھ تلوار پر گیا انہوں نے

انارکلی کے کان میں کچھ کہا اور خود مسکرانے لگی۔

اکبر دلارام کو چھوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایذا کے احساس سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اس کا بدن آگے پیچھے یوں جھوم رہا ہے۔ گویا پیروں میں جسم کو سنبھالنے کی تاب نہیں رہی۔ آخر لڑکھڑا کر تخت پر بیٹھ جاتا ہے)

میں چھپ کر سن رہی تھی تو صاحب عالم کی نظریں مجھ پر پڑ گئیں۔ یہ سمجھ کر کہ میں یہ گفتگو بارگاہِ عالی تک پہنچا دوں گی۔ انھوں نے مجھ کو دھمکی دی کہ انارکلی کا نام زبان سے نکالنے پر تجھ کو پچھتانا ہوگا۔ جہاںپناہ کے سامنے جھوٹی شہادت پیش کی جائیگی کہ تو خود ہم کو چاہتی ہے اور جب ہم نے تجھ کو مایوس کر دیا تو تو نے اپنی ناکامی کا انتقام لینے کو یہ ڈھنگ نکالا۔ میں سہم گئی، میری زبان بند ہو گئی۔ مجھے جہاںپناہ کے حضور میں ایک لفظ زبان سے نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ لیکن میں اس فکر میں گھلتی رہی ایسے موقع کی تاک میں رہی جہاں میری زبان بند ہے اور شہنشاہ کی نظریں دیکھ سکیں۔

اکبر۔ (صدمے کے مارے سن سا یوں بیٹھا ہوا ہے گویا اس بھری دنیا میں اکیلا اور تہی دست رہ گیا ہے، آہستہ سے)

دلارام۔ (ملال سے) صاحب عالم بے قصور ہیں۔ معصوم ہیں۔ وہ پھسلائے گئے۔ بہکائے گئے۔

(خواجہ سرا آتا ہے)

خواجہ سرا۔ جہاںپناہ داروغۂ زنداں شرف باریابی چاہتا ہے۔

اکبر۔ کون۔

خواجہ سرا۔ داروغہ جو زنداں میں انارکلی کا محافظ ہے۔

اکبر۔ (منہ دوسری طرف کرکے) ہر زبان پر یہی نام میری تضحیک کر رہا ہے۔

(توقف کے بعد خواجہ سرا سے) اس وقت کیا چاہتا ہے؟

خواجہ سرا۔ اسے کچھ بیحد ضروری کام ہے۔

اکبر۔ (ذرا دیر خاموش رہ کر)

(خواجہ سرا الٹے پاؤں واپس جاتا ہے)

(توقف)

دلارام ۔ (لجاجت سے) مہابلی۔ لونڈی کو معاف کرنا۔ میرے الفاظ نے سماعت عالی کو صدمہ
پہنچایا۔ مگر میں کیا کرتی کس طرح ظل الہٰی کی جان کو خطرے میں دیکھتی اور چپ رہتی۔

اکبر ۔ (یکایک بیتاب ہو کر) کمینی دور ہو جا۔ (دلارام مجرا بجالا کر چلی جاتی ہے)
(اکبر خاموش اور ساکت بیٹھا رہتا ہے۔ مگر اسکی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی ہیں)
میرے دماغ میں شعلے بھڑک رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا۔ میں کیا کر بیٹھوں گا۔ مگر
وہ اس صدمے کی طرح مہیب ہو گا۔

داروغہ زنداں داخل ہو کر مجرا بجالاتا ہے۔ اس کا سانس پھول رہا ہے۔ اور وہ
منتظر ہے کہ اکبر اس سے سوال کرے)
رات کو کیوں آیا؟

داروغہ ۔ (ہاتھ جوڑ کر) ایک المناک داستان سنانے کو۔

اکبر ۔ (اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر) بیان کر۔

داروغہ ۔ (ہانپتے ہوئے) صاحب عالم نے اس وقت بزور شمشیر انارکلی کو زنداں سے
نکال لے جانا چاہا۔

اکبر ۔ (پاگلوں کی طرح داروغہ کا منہ تکتے ہوئے) کیا؟

داروغہ ۔ وہ تلوار سونت کر میرے سرہانے پہنچے۔ شمشیر کی نوک میرے سینے پر رکھ کر
مجھ سے کنجیاں چھین لیں اور زنداں میں داخل ہو گئے۔

اکبر ۔ (کھڑا ہو جاتا ہے) شیخو! بزور شمشیر؟ (تحیر کے عالم میں ماتھے پر بل پڑ جاتے ہیں)
باپ کو برباد کر چکنے کے بعد اب وہ شہنشاہ سے بھی باغی ہے (توقف کے بعد
کوشش کر کے سکون سے) اور کیا ہوا؟

داروغہ ۔ میں صاحب عالم سے مقابلہ کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ دروازے کے پاس کھڑا ہو کر

ان کی گفتگو سننے لگا۔

اکبر۔ (دوسری طرف منہ کرکے) وہ کیا باتیں کر رہے تھے؟

داروغہ۔ (تھوڑے سے توقف کے بعد ڈرتے ہوئے) انہیں سنکر شہنشاہ کی سماعت کو صدمہ پہنچیگا۔

اکبر۔ (گرج کر) بول!

داروغہ۔ شہزادہ چاہتا تھا۔ انارکلی کو لیکر بھاگ جائے لیکن انارکلی ہندوستان چاہتی تھی۔ وہ بولی یہ زنجیریں بنہ کاٹو اور زنجیریں پڑجائیں گی۔ میرے اور تمہارے درمیان جو دیوار کھڑی ہے اس کو ڈھاؤ۔

اکبر۔ (سامنے گھورتے ہوئے) دیوار! (ذرا دیر بعد اس کا سر یوں جھک جاتا ہے گویا گردن پڑ ڈھیلا ڈھیلا ہے)

داروغہ۔ (اکبر کو متاثر دیکھ کر) صاحب عالم نے انکار کر دیا۔ اور بھاگ چلنے پر زور دیا۔

اکبر۔ (یک لخت داروغہ کا گریبان پکڑ کر) تو جھوٹ بولتا ہے۔ اس نے انارکلی کی آرزو پوری کرنے کا وعدہ کیا۔

داروغہ۔ (ذرا دیر سمجھ نہیں سکا کہ کیا کہے آخر سراسیمگی سے) نہیں، ہاں تو وہ مجبور کر دیئے گئے تھے

اکبر۔ (داروغہ کا گریبان چھوڑ کر قہر آلود نگاہیں اس پر گاڑ دیتا ہے) اور پھر؟

داروغہ۔ دونوں نے وہاں سے نکلنا چاہا۔

اکبر۔ اور تو؟

داروغہ۔ میں نے مقابلہ کرکے صاحب عالم کو روکنا محال جانا۔ میں نہ تلوار نکال سکتا تھا نہ انھیں زنداں میں بند کر دینے کی جرات کر سکتا تھا۔ میں دوڑا ہوا اندر گیا اور میں نے کہا۔ ظل الہی تشریف لا رہے ہیں۔

اکبر۔ اور وہ کیا بولے؟

داروغہ۔ انارکلی بولی۔ صاحب عالم تلوار کھینچو! صاحب عالم نے کہا شہنشاہ کو آنے دو۔

اکبر اپنے آپ کو سنبھالنے کی بہت کوشش کرتا ہے۔ مگر نہیں سنبھل سکتا اوندھا گرنے لگتا ہے۔ داروغہ بڑھ کر اسے تھام لیتا اور تخت پر بٹھا دیتا ہے اکبر ذرا دیر بعد نظر

اس کی طرف اٹھاتا ہے)

داروغہ۔ (توقف کے بعد) میں نے انھیں اس کوشش کے انجام سے ڈرایا، اور وعدہ کیا کہ جیا بلی کے چلے جانیکے بعد میں خود انارکلی کے فرار میں امداد دوں گا۔ شہزادے کو یقین نہ آتا تھا۔ لیکن جب میں نے اس کام کیلئے رشوت طلب کی۔ تو انھوں نے مان لیا۔ مگر ساتھ ہی دھمکی دی کہ وعدہ خلافی کی صورت میں ظل الہٰی کے حضور میں جھوٹی شہادت پہنچائی جائے گی کہ تو نے رشوت لی ہے۔

اکبر۔ (کمزور آواز میں) وہی دھمکی جو دلآرام کو دی گئی تھی۔

داروغہ۔ اسکے بعد میں انہیں اپنے حجرے میں لے گیا اور وہاں ان کو بند کر کے اطلاع دینے کے لئے بارگاہ عالی میں حاضر ہوا۔

اکبر۔ (منھ ہی منھ میں) یونہی ہوتا تھا۔ یونہی ہونا تھا۔

داروغہ۔ (لجاجت سے) صاحب عالم معصوم ہیں۔ ترغیب خوفناک تھی۔

اکبر۔ (سوچتے ہوئے پر معنی انداز میں) ہاں ترغیب خوفناک ہے۔

داروغہ۔ مجھے اندیشہ ہے صاحب عالم کل کوئی اور فتنہ نہ کھڑا کریں

(اکبر کچھ جواب نہیں دیتا۔ ساکت و جامد بیٹھا ہوا ہے۔ توقف کچھ محدود معلوم ہوتا ہے) میں ظل الہٰی کے فرمان کا منتظر ہوں۔

اکبر۔ (جو کچھ دیر بعد) سکون سے) پھر موت!

داروغہ۔ (آہستہ سے) کس کی؟

اکبر۔ (جوش سے) بیتاب ہو کر) جس کے رقص نے ہندوستان کے تخت سلطنت کو لرزا دیا۔ جسکے نغمے نے ایوان شاہی میں شعلے بھڑکا دیئے جسکے حسن نے جگر گوشہ مغلیہ کے حواس چھین لئے جس کی نظروں نے ہندوستان کے شہنشاہ کو شیخو کے باپ کو جلال الدین کو لوٹ لیا جس کی ترغیب نے خون میں خون کے خلاف زہر ملادیا۔ جس کی سرگوشی نے قوانین فطرت کو توڑنا چاہا۔ لوٹا ہوا باپ تھکا ہوا شہنشاہ ہارا ہوا فاتح اسے فنا کریگا" ماریگا مٹائے گا جسطرح

اس نے میری اولاد کو مجھ سے جدا کیا یونہی وہ اپنی ماں سے جدا ہو گی جسطرح وہی سے مجھے عذاب میں ڈالا یونہی وہ عذاب میں مبتلا کی جائے گی جسطرح اس نے میرے ارمان اور خوابوں کو کچلا یونہی اس کا جسم کچلا جائے گا۔ لیجاؤ اکبر کا حکم ہے سلیم کے باپ کا ہندوستان کے شہنشاہ کا لیجاؤ اس حسین فتنہ کو اس دلفریب قیامت کو لیجاؤ گاڑ دو زندہ دیوار میں گاڑ دو۔ (داروغہ رخصت ہو جاتا ہے اکبر بولتا بولتا کھڑا ہو گیا تھا اور اس کا جوش جیسے اس کے قابو سے نکل گیا تھا۔ تھک کر نیم بیہوشی کی حالت میں مسند پر گر پڑتا ہے۔) ''پردہ''

منظر چہارم

زندان کا بیرونی منظر۔

صبح پھیکے آسمان پر دو تین بھٹکے ہوئے تارے حسرت آلود ہیں فضا میں جیسے کسل اور اضمحلال ہے۔ فطرت کا بامی منہ اترا اترا اور بے رونق ہے زندگی سو کر اٹھے ہوئے مزدوروں کی طرح ملول اور غمناک ہے۔ زندان کے دروازے کے دونوں طرف حبشی خواجہ سرا ننگی تلواریں لئے بت بنے کھڑے ہیں۔

داروغہ زندان اور دو اور خوفناک صورت حبشی خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں۔

زندان کے دروازے کا قفل کھولتے ہیں اور خاموشی سے اندر داخل ہوتے ہیں۔

انارکلی۔ (اندر سے) سلیم۔

(اور پھر انارکلی کی چیخ کی آواز آتی ہے اور سکوت طاری ہو جاتا ہے زنجیروں کے ہلنے کی آواز آتی ہے اور تھوڑی دیر میں داروغہ اور خواجہ سرا انارکلی کو لیکر نکلتے ہیں۔ انارکلی کی آنکھیں پھٹی ہوئی ہیں ان میں سے زندگی بجھ چکی رنگت زرد ہے۔ اور منہ ہی منہ میں بول رہی ہے اور سامنے آسمان کی طرف بے معنی نظروں سے تک رہی ہے۔

دونوں خواجہ سرا تلوار نکالتے ہیں داروغہ ہتکڑی کی زنجیر کھینچتا ہے انارکلی چلتی ہے

یوں جیسے نیند میں چلی جا رہی ہے سب اسکو دیکھ کر خاموشی سے چلے جاتے ہیں ان کے جانیکے بعد محافظ خواجہ سرا تلواریں نیام میں کر کے اور رخصت ہو جاتے ہیں۔

مندر سے گھنٹوں کی ملول ٹن ٹن آنی شروع ہو گئی ہے۔ مسجد سے اذاں ضعیف و نحیف کائنات کی دکھ بھری فریاد معلوم ہوتی ہے۔

پردہ

منظر پنجم

سلیم کا مثمن برج والا ایوان۔

باہر نیلے آسمان اور مسجد کے گنبد اور میناروں پر دھوپ کہہ دیتی ہے کہ دن چڑھ چکا اندر سلیم تخت پر بیہوشی کے عالم میں یوں پڑا ہے گویا کہیں سے لا کر ڈالا گیا ہے ذرا سی دیر بعد حرم کے دروازے کے پردے ہلتے ہیں اور دلارام سر نکال کر اندر جھانکتی ہے جب یقین ہو جاتا ہے کہ سلیم غافل ہے تو وہ بے پاؤں اندر آتی اور آہستہ آہستہ پنجوں کے بل چلتی ہوئی سلیم کے قریب پہونچکر تھم جاتی ہے۔

دلارام۔ (کچھ دیر خاموش سے تکتی ہے) تو غافل سو رہا ہے اور موت کا منہ تیری انارکلی پر بند ہو چکا ہے۔ تیری زندہ انارکلی کے گرد اینٹیں اور پتھر چنے گئے اور اسکا حسن خاک میں غروب ہو گیا۔ اس کی نزاع کی چیخیں تیری نیند میں نہ پہونچیں (میری ہڈیوں میں کیوں گونج رہی ہیں ؟ سر جھکا کر آنکھیں بند کر لیتی ہے تھوڑی دیر بعد سر اٹھاتی اور سامنے کو تکنے لگتی ہے۔) لیکن میرا کیا قصور ؟ یہ تو ستاروں کے کھیل ہیں۔ کون ان کی پُر اسرار چال کو سمجھ سکتا ہے اور کون جانتا ہے جب ٹکراتے ہیں تو کیا ہوتا ہے (سلیم کراہ کر کروٹ لیتا ہے۔ دلارام حرم کے دروازے کی طرف بھاگتی ہے۔ سیڑھیاں چڑھ کر رکتی ہے۔ اور مڑ کر دیکھتی ہے کہ سلیم کروٹ بدلنے کے بعد پھر غافل ہو گیا ہے۔ تامل کے بعد ایوان میں آ جاتی ہے) ابھی نہیں (سلیم کو تکنے لگتی ہے) پر تم جاگ کر کیا کرو گے شہزادے ؟ ——

اس خبر کو سنکر آنسو بہاؤ گے یا جنون میں کھلکھلاؤ گے) سلیم پھر کروٹ بدلتا ہے دلارام پھر حرم کے دروازے کی طرف بڑھتی ہے مگر رخصت ہونے کو جی نہیں چاہتا آخر جلدی سے بڑھتی ہے اور ڈر سے دروازے کے پردے کے پیچھے چھپ جاتی ہے)

سلیم۔ (آنکھیں کھول لیتا ہے اور ذرا دیر چپ چاپ پڑا ساکن نظروں سے چھت کو تکتا رہتا ہے۔ اور پھر اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیتا ہے کچھ دیر بعد چونک کر حیرت سے ادھر اُدھر دیکھتا ہے) یہ کیا ہے؟ (آنکھوں پر ہاتھ پھیرتا ہے) کیا ہوگیا ہے! دکھ ہوتا ہے گر کر کھڑا ہو کر پھر بیٹھ جاتا ہے) میرا اپنا ایوان! — میں انارکلی کے پاس تھا اس کا سانس اٹھنا۔ میری پیشانی پر تازہ (سوچنے لگتا ہے) ہاں داروغہ آیا تھا اور ظل الہی! — داروغہ مجھے اپنے حجرے میں لے گیا میں نے اسکے انتظار میں ایک زندگی کا پورا عذاب دیکھا۔ اور پھر وہ لوٹا — ہاں وہ لوٹا — اور پھر؟ — ہم انارکلی کی طرف جانے لگے اور وہ ختم گیا۔ ہم نہ گئے — اس نے مجھے تازہ دم کرنے کے لئے ایک شربت دیا؟ اور پھر؟ — کچھ نہیں — اور پھر؟ — کچھ نہیں؟ — اب میں یہاں ہوں یہ کیا اسرار! کیسے ہوا؟ (سوچتا سوچتا ایک لخت چونک پڑتا ہے۔ خداوندا! یہ تمام منصوبہ تھا؟ کاش نہ ہو کاش نہ ہو نہیں تو کیا نہ ہو چکا ہوگا! میری انارکلی! میری اپنی انارکلی (ادھر اُدھر یوں دیکھ کر جیسے یک لخت بدن میں بجلی سے بھر گئی ہے) مجھے ابھی معلوم ہونا چاہئے۔ میری تلوار! (دیکھتا ہے تلوار نہیں ہے) میری تلوار! میری تلوار (جس میز پر تلوار رکھی رہا کرتی ہے وہاں جا کر دیکھتا ہے نیام خالی ہے) خالی! (پھینک دیتا ہے) یہ کیا؟ ایک سکتے کے عالم میں رہتا ہے اور پھر ایک لخت) سلیم ...... تیز کی طرح .... باہر جانے کے لئے دروازے کی طرف بھاگتا ہے؛

(دروازے میں سے ایک سپاہی تلوار لئے ہوئے نکل آیا اور جھک کر تعظیم بجالاتا ہے)۔

سپاہی۔ صاحب عالم اس ایوان سے باہر نہیں جا سکتے۔

سلیم۔ کیوں۔

سپاہی۔ ظل الٰہی کا فرمان۔

سلیم۔ ظل الٰہی کا فرمان کس لیے؟

سپاہی۔ صرف ظل الٰہی جانتے ہیں۔

سلیم۔ میں قید ہوں۔

سپاہی۔ صاحب عالم کی راحت کے تمام سامان مہیا کئے جا سکتے ہیں۔

سلیم۔ اور میں باہر نہیں نکل سکتا؟

سپاہی۔ ہم مجبور ہیں۔

سلیم۔ (جلال کے عالم میں) میں جاؤں گا۔

سپاہی۔ (سکون سے) کوشش بے سود ہے۔ ہر طرف مسلح سپاہی ہیں۔ آگے دروازے مقفل ہیں اور دروازوں کے باہر پھر مسلح سپاہی ہیں۔

سلیم۔ (بے بسی کے احساس سے غضبناک ہو کر) میں تم کو مار ڈالوں گا۔

سپاہی۔ (اسی سکون سے) لیکن دروازے بہت مضبوط اور باہر سے مقفل ہیں۔

سلیم۔ (کچھ دیر سوچتا رہتا ہے اور شدت غم سے آنکھیں بند کر لیتا ہے) آہ میں اسیر ہوں بے بس ہوں۔ خداوندا! (مسند پر گر پڑتا ہے)

سپاہی۔ میں ڈیوڑھی میں احکام کا منتظر ہوں۔

(سپاہی جاتا ہے)

سلیم۔ (بے چارگی کے احساس سے مغلوب ہو کر سر تکئے پر رکھ دیتا ہے) اب کچھ ہو چکا انہیں سب معلوم ہو گیا۔ محبت بچھڑ گئی۔ آرزوئیں اجڑ گئیں (بے قراری سے سر ہلا کر) کچھ نہیں صرف آنسو صرف آہیں (بیٹھ کر مٹھیاں آسمان کی طرف اٹھا دیتا ہے) تقدیر! تقدیر! صرف ایک تبسم اور اتنا عتاب! کونسی خوشیاں مفت دیدی تھیں کن راحتوں کی قیمت لینی تھی۔ یہ بے بسی یہ مجبوری! اسیری اور

حسرت آہیں اور آنسو میں نے کون سے قہقہے تجھ سے چھین لئے تھے؟ (گھٹنے پر سر رکھ کر رونے لگتا ہے) جدا کر دیئے گئے۔ ایک دوسرے سے نوچ کر الگ الگ ڈال دیا گیا کہ میں یہاں خون روؤں اور وہ وہاں دیواروں سے سر پھوڑتے (کھلی آنکھوں سے سوچتے ہوئے) اور کون جانے اسیری اولاد کیلئے اسکے لئے کیا ہوگا! نہیں نہیں کچھ اور نہ ہو اور نہ ہو، میں دم توڑ دوں گا زندہ نہ بچوں گا (گھٹنے میں منہ چھپا کر رونے لگتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھاتا ہے آنسو پونچھ ڈالتا ہے اور استقلال کی تصویر بنا کر کھڑا ہو جاتا ہے) موت ہے تو پھر یوں ہی ہو۔ میں حرم میں گھس جاؤں گا ظل الٰہی کے روبرو اور خدا ہی جانتا ہے پھر کیا ہوگا (حرم میں جانے کیلئے سیڑھیوں کی طرف بڑھتا ہے لیکن دو ہی سیڑھیاں چڑھنے پاتا ہے کہ ڈیوڑھی کیطرف کا پردہ کھلتا ہے۔ (بختیار داخل ہوتا ہے۔ چہرہ پر تفکر د تردد ہے)

بختیار۔ سلیم۔

سلیم۔ آہ بختیار! تم آگئے؟ (لپک کر اُسکے قریب جاتا اور اسکا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام لیتا ہے) میرے دوست! میرے مخلص۔ میری امید مجھے بتاؤ نہیں جانتا کیا کیا پوچھوں سب کچھ بتاؤ نہیں پہلے یہ بتاؤ کہ وہ زندہ ہے۔

بختیار۔ (سلیم کو حسرتناک نظروں سے دیکھتے ہوئے) میں گھر سے سیدھا یہاں آرہا ہوں۔

سلیم۔ لیکن تمہیں معلوم ہوگا، بہت کچھ۔ ایک بے بس قیدی سے بہت زیادہ۔

بختیار۔ (نظریں جھکا کر) میں کچھ نہیں جانتا۔

سلیم۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں جانتا ہوں تم مجھے چاہتے ہو۔ تمہارا دوست قید ہے لیکن تم پھر بھی اس سے نفرت نہیں کر سکتے۔ میری محبت تمہیں تالوں اور تلواروں میں سے کھینچ لائی۔ تم نے کون دشوار بول سے یہاں آنیکی اجازت پائی ہوگی اور تم انارکلی کے احوال سے بےخبر یہاں آگئے؟ نہیں تم مجھے ستانا چاہتے ہو۔ مگر بختیار تمہارے لیے یہ ہنسی ہے میں موت کا کرب ہے۔ میرا دل سینے سے ٹکریں مار رہا ہے مجھے انارکلی کی خبر سناؤ۔

بختیار۔ (منہ موڑتے ہوئے) میں اسکی کوئی خبر حاصل نہ کر سکا۔

سلیم۔ اس کی خبر حاصل نہیں کر سکے؟ تم سے کتنی مختلف بات! تم بختیار نہیں ہو؟ میرے دوست

نہیں رہے؟ میں سلیم نہیں رہا؟ تمہارا شہزادہ نہیں رہا! (بختیار کا ہاتھ چھوڑ کر سر جھکا لیتا ہے) ہاں احمق تو شہزادہ نہیں رہا۔ بختیار شہزادے کی خدمت بجا لاتا تھا۔ اب تقدیر نے منہ موڑ لیا۔ سلیم سے ایک ذلیل قیدی سے کچھ سروکار نہیں رہا (مایوس و دل شکستہ انداز میں سیڑھیوں سے اتر کر ایوان میں آ جاتا ہے)

بختیار۔ (اسکے پیچھے اشک آلود آنکھوں کے ساتھ سیڑھیوں سے اترتے اترتے) جان سے عزیز دوست ایسا نہ کہو۔ میرا دل ٹوٹ جائیگا۔ سلیم۔ (بیقراری سے اسکی طرف مڑ کر جاتا ہے)

بختیار۔ کچھ نہ پوچھو، شہزادے مجھ سے کچھ نہ پوچھو (آنسو چھپانے کو منہ دوسری طرف کر لیتا ہے)۔

سلیم۔ (آنسو دیکھ لیتا ہے) آنسو خداوندا (لپک کر اس کے قریب آتا اور شانوں سے پکڑ کر اس کا منہ اپنی طرف کر لیتا ہے) بختیار کچھ کہو بدترین خبر بتاؤ۔ مگر کچھ کہو۔

بختیار۔ (سلیم سے نظریں چار کرنے کی جرات نہیں پڑتی بھرائی ہوئی آواز میں) سب کچھ ہو چکا میرے شہزادے سب کچھ ہو چکا۔ بتانے کو کچھ باقی نہیں رہا۔

سلیم۔ (بختیار سے آنکھیں ملانے کی کوشش کرتے ہوئے) کچھ باقی نہیں رہا؟ تم نے کیا کہا! کچھ باقی نہیں رہا!

بختیار۔ امیدیں، آرزوئیں، امنگیں، حوصلے سب مٹ گئے (سلیم کو دیکھ کر) سلیم سلیم تمہارا سب کچھ فنا ہو گیا۔

(سلیم کی نظریں بختیار سے ملتی ہیں۔ بختیار کے چہرے پر دکھ ہے۔ سلیم کا چہرہ بالکل خالی ہے سکوت نیستی سے بھرا ہوا ہے۔ ذرا دیر دونوں ایک دوسرے کو تکتے رہتے ہیں۔ سلیم سب کچھ سمجھ جاتا ہے اس کا سر جھک کر سینے پر آ پڑتا ہے۔ اور وہ کھڑا کھڑا سامنے کو گرنے لگتا ہے۔ بختیار سلیم سلیم!! کہتا ہوا بڑھتا ہے اور اسے سنبھال لیتا ہے پھر اپنے ساتھ لیکر مسند پر بیٹھ جاتا ہے۔ سلیم کی آنکھیں بند ہیں اور سر بختیار کی گود میں رکھا ہے)

میرے شاہزادے! میرے بادشاہ! میرے بادشاہ! میری روح! ہوش میں آؤ ——— مرد بنو! دیکھو میں کیا کہتا ہوں! آنکھیں کھولو ——— (سلیم کو ہلا کر) آؤ ہم انارکلی کی باتیں کریں۔ سن رہے ہو؟ جواب دو سلیم ——— سلیم! (پریشان نظروں سے ادھر ادھر یوں دیکھتا ہے گویا کسی کو امداد کیلئے پکارنا چاہتا ہے۔)

سلیم۔ (کچھ دیر بعد آہستہ سے) کہیں نیچے اترا جا رہا ہوں۔ بختیار! مجھے گود میں بھینچ لو۔

بختیار۔ میرے بیٹے کیسا غم ہو۔ میری جان کیسا غم ہو۔ تم آنکھیں تو کھولو میری خاطر سے سلیم خدا کیلئے آنکھیں کھول دو۔ دیکھو! میری بات تو۔ سلیم۔ (اسی طرح پڑے پڑے ہلکے سے) انارکلی! بختیار! انارکلی!

بختیار۔ دیکھو وہ تمہیں دیکھ رہی ہے
سلیم۔ کہاں؟

بختیار۔ تم اُسے نہیں دیکھ سکتے مگر تمہاری بیقراری اسکی روح کو بیچین کر رہی ہے۔ تم اس ناشاد کو مر کر بھی اطمینان حاصل نہیں کرنے دیتے۔ تم ہوش سنبھالو وہ بہشتی ہوئی فردوس میں حوروں کے پاس چلی جائے گی۔

سلیم۔ (کچھ دیر بے حس و حرکت پڑا رہتا ہے۔ بختیار آنسو بھری آنکھوں سے اسے تک رہا ہے۔ آخر نقاہت سے) مجھے بٹھا دو۔

(بختیار بے حس و حرکت بیٹھا اندیشہ ناک نظروں سے سلیم کو دیکھتا رہتا ہے) نہیں نہیں میں بیٹھوں گا۔

بختیار۔ کیوں میرے شہزادے؟
سلیم۔ مجھے تم سے کچھ کام ہے؟

بختیار۔ (سلیم پر نظریں گاڑے ہوئے) کیا؟

سلیم۔ (بختیار کا سہارا لے کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ سر شانے کی طرف جھک جاتا ہے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی ہے۔ آنکھیں ساکت ہیں۔ ہاتھ جیسے بیجان ہیں زندگی کی کل کا ایک بیکار پرزہ معلوم ہو رہا ہے۔ کچھ دیر بعد سر اٹھاتا ہے اور سامنے اسطرح تکنے لگتا ہے کہ کہیں دیکھتا معلوم نہیں ہوتا) بختیار! تم مجھے چاہتے ہو؟

بختیار۔ سلیم! تم اسمیں شبہ بھی کر سکتے ہو۔
سلیم۔ ایک کام کر دو۔

بختیار۔ کیا چاہتے ہو۔
سلیم۔ ایک خنجر لا دو۔

بختیار۔ (اٹھ کر سلیم کے سامنے بیٹھتا ہے) تم کیا سوچ رہے ہو؟ سلیم۔ کچھ نہیں۔ مجھے انارکلی کے پاس پہنچنا ہے۔

بختیار۔ (چہرے پر دکھ لکھا ہے) "سلیم خدا کے لئے۔"
سلیم۔ یہ مقررہ ہے۔

بختیار۔ رسول کے لئے۔"
سلیم۔ (غصہ سے) خنجر لا دو یا دور ہو جاؤ۔

بختیار۔ سلیم کچھ سمجھو۔
سلیم۔ (اور غصہ سے) خنجر لا دو یا دور ہو جاؤ۔

بختیار۔ (سلیم کے غصہ سے ڈر کر کھڑا ہو جاتا ہے) سلیم مجھ پر رحم کرو۔

سلیم۔ یوں اٹھ کھڑا ہوتا ہے جیسے رکی جانے کے بعد زندگی دفعتہً اسکے جسم میں واپس آگئی ہو۔ کچھ نہیں یہاں سے نکل جاؤ۔ اٹھو اور دور ہو۔ بیوقوف، تمہی کیا سمجھتی ہو۔ اب میں تنہائی چاہتا ہوں۔ بختیار کو نکالنے کیلئے اسکی طرف بڑھتا ہے۔ حرم کے دروازے سے ثریا داخل ہوتی اور سامنے چبوترے پر جب چاپ کھڑی ہو جاتی ہے) (سلیم ثریا کو دیکھ کر اسکی طرف متوجہ ہو جاتا ہے) ثریا! — ننھی! — تو رو نہیں رہی — وہ زندہ ہے (سلیم ثریا کی طرف بڑھتا ہے)

ثریا۔ وہاں کھڑے کھڑے ہاتھ اٹھا کر) میرے قریب نہ آ!
سلیم۔ (حیرت میں) کیا؟

ثریا۔ دور کھڑا رہ۔ ہ ۔ سلیم۔ ثریا!

ثریا۔ تیمور کی نامراد اولاد۔ ہندوستان کے بزدل ولیعہد! میری بہن کی جان لیکر تو ابھی زندہ موجود ہے۔ پھولوں کو کھا جانیوالے کیڑے۔ تو نے اسکی جان کو اپنی جان کہا تھا۔ جھوٹے تو نے اسکو بچا لینے کا وعدہ کیا تھا۔ بھیڑیا! اس کوشش میں تو نے اپنی جان تک دیدینے کو کہا! اور سب قول یوں پورے ہوئے ہیں؟ جوان انارکلی کی بڑھیا ماں کے ناپاک قاتل، تجھ پر بیکسیں کا صبر ٹوٹے تجھکو مظلوم کی آہیں پھونکیں تجھ کو بے بسی کے آنسو غرق کریں۔

بختیار۔ لڑکی خاموش۔ خاموش ۔ سلیم۔ (سر جھکا کر) ثریا دنیا کی کوئی لعنت کوئی بددعا باقی نہ چھوڑ اور جب تیرا دل بھر جائے تو صرف اتنا کر مجھے اپنی انارکلی کے راستے پر لگا دے۔ میری ثریا میرا راستہ کھو گیا۔ ننھی تیری انارکلی کا سلیم رستے پر پڑ چکا تھا مگر لٹ گیا بے بس کر دیا گیا۔

ثریا۔ ظالم اکبر کے دروغ گو بیٹے۔ تجھے راستہ نہیں ملتا۔ میری جیتی جاگتی حور جیسی بہن کے گرد دیوار چنُ ڈالی گئی۔ وہ ناشاد زندہ گاڑ دی گئی۔ اسکی سلیم سلیم کی آخری چیخیں آسمان میں سسکا کرتی رہیں وہ گڑتی چلی گئی اور سلیم کے سوا اس کے منہ سے کسی کا نام نہ نکل سکا۔ اسکی بجھی ہوئی آنکھیں اینٹوں میں چھپ جانے سے پہلے صرف تجھ کو تیری نحس صورت کو ڈھونڈتی رہیں اور تو یہاں پردوں میں گدیوں پر جان کو لئے بیٹھا ہے؟

سلیم۔ (آنکھیں پھٹی پڑ رہی ہیں) زندہ دیوار میں! پناہ تیری پناہ۔ میرے گرد کس جہنم کا منہ کھل گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے چڑیل تو نے کس ہیبت کا نقشہ کھینچ دیا!

ثریا۔ وہ تھرتھراتی ہوئی نازنین پتھروں میں ہمیشہ کیلئے ساکت ہو گئی۔ اس کا دھڑکتا ہوا دل، دوڑتا ہوا لہو دیوار میں غرق ہونے کے بعد تھم گیا اور تجھے اس کا راستہ نہ ملا۔ موت نہ آئی؟

سلیم۔ (پاگلوں کیطرح کبھی اپنے آپ سے کبھی بختیار سے) دیوار بند ہو گئی۔ اسپر دیوار بند ہو گئی وہ پتھروں میں ڈوب گئی، ہمیشہ کیلئے ڈوب گئی میرا دم گھٹا پتھروں میں رکا ہوا سانس بند نظریں، ننھا ہوا لہو مجھے پکار رہا ہے۔ چیخ چیخ کر پکار رہا ہے۔

بختیار۔ (سلیم کو آغوش میں لے کر) سلیم! سلیم! تمہیں کیا ہو گیا! نامراد لڑکی تو نے کیا کر دیا؟

ثریا۔ خونی مدی کئے! میری بہن کی روح دوسرے جہاں میں اس کیلئے بیتاب ہے۔ میں اسے یوں ہی چھوڑ دوں گی؟ میں اپنے آخری سانس کو اسکے لئے لعنت بنا دوں گی میں اس کیلئے زندگی کو موت سے بدتر بنا دوں گی۔

میں اسے خود کھینچ کر موت کے منہ میں لے جاؤں گی۔

(سلیم بختیار کے آغوش سے یک لخت الگ ہو کر دیوانہ وار دروازے کیطرف بڑھتا ہے)

بختیار۔ (اسے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے) سلیم کہاں جا رہے ہو؟

سلیم۔ میں اینٹ سے اینٹ بجا دونگا، اس محل کو اس قلعہ کو کھنڈر بنا دوں گا پتھروں کو اگلنا ہوگا یہی انارکلی کا جو کچھ باقی ہے وہ اگلنا ہوگا میرا آغوش اپنی جان اس کے جسم میں ڈالے گا ورنہ ایک ہی کھنڈر، پر دونوں ہمیشہ کو تمام ہوں گے۔ بختیار۔ راہ بند ہے۔

سلیم۔ (مڑ کر دروازے کیطرف بڑھتا ہے) راہ بند ہے تو میری ٹکریں راہ بنائیں گی (پردہ دیوار پر سے نوچ ڈالتا ہے) دیکھتا ہے تو پیچھے دلآرام سہمی ہوئی کھڑی اسکے جنون کو دیکھ کر کانپ رہی ہے سلیم پاگلوں کیطرح اسے تکتا رہتا ہے) انارکلی! تو دیواروں ہی میں سے میرے پہلو میں آ پہنچی۔

دلارام۔ (خوف کے مارے گلا خشک ہے) صاحب عالم!

ثریا۔ اندھے! یہ انارکلی ہے یا وہ مسموم جس نے انارکلی کو پھونک ڈالا! دلآرام انارکلی کی قاتل تیرے سامنے کھڑی ہے اس نے انارکلی کو گرفتار کرایا۔ جشن کی رات یہ اکبر کے حضور میں موجود تھی، اس نے قتل کا حکم دلوایا۔ کل کی رات یہ اکبر کی خوابگاہ میں گئی تھی۔ انارکلی کا سانس بند ہے اور یہ سانس لے رہی ہے۔ انارکلی کے جسم سے زندگی کی آخری رمق مٹ چکی۔ اور اسکے جسم میں لہو جاگ رہا ہے۔ مار! مار! میرا کلیجہ ٹھنڈا کر۔ انارکلی کی روح کی جلن کو مٹا۔

دلارام۔ (تھر تھر کانپتے ہوئے) میں نے موت کی سزا نہیں دلوائی۔ داروغۂ زنداں نے دلوائی ہے میں بے قصور ہوں بے قصور ہوں۔

سلیم۔ لپک کر اسکی گردن دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیتا اور دبانا شروع کرتا ہے، آخر کار آخر کار انارکلی کو گھونٹ ڈالنے والے پتھر تو مجنون سلیم کے ہاتھ آ گیا۔ اب اس کے ہاتھ سے تیرے خون کی ایک ایک بوند انارکلی کا انتقام لیگی۔

بختیار (سلیم کو الگ کرنیکی کوشش کرتا ہے) دیوانے ہو گئے ہو میرے سلیم، میرے شہزادے! (دلآرام پر سلیم کی گرفت بہت مضبوط ہے) ظل الہٰی! ظل الہٰی! (گھبرا کر اکبر کو اطلاع دینے جاتا ہے)

سلیم۔ (گرفت ڈھیلی کر دیتا ہے) ان آنکھوں کی چمک کہاں گئی؟ ان گالوں کی سرخی اور تازگی کیا ہوئی؟ (ایک خشک اور بے رس قہقہہ لگا کر دلآرام کو نیچے پٹخ دیتا ہے۔ خود مسند پہ بیٹھ کر ہانپنے لگتا ہے۔ ثریا

چبوترے پر آنکھیں بند کئے چپ چاپ کھڑی ہے)

(اکبر باہر کے دروازے سے گھبرایا ہوا داخل ہوتا اور جلدی جلدی سیڑھیاں اتر کر سلیم کے قریب آتا ہے)

اکبر۔ شیخو! یہ کیا ہے؟ تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے؟ سلیم۔ کچھ دیر چپ چاپ اکبر کو تکتا رہتا ہے، تم کون ہو؟

اکبر۔ مگر بند نظروں سے! شیخو! اپنے باپ کو پہچانو! سلیم۔ (سر ہلا کر منہ موڑ لیتا ہے) شیخو کا کوئی باپ نہیں، مر چکا۔ تم ہندوستان کے شہنشاہ ہو۔ جہانبانی کے باپ۔ دولت کے باپ۔ تم قاتل ہو انارکلی کے، قاتل سلیم کے قاتل، تمہاری پیشانی پر خون کی لکیریں ہیں۔ تمہاری آنکھوں میں جہنم کے شعلے ہیں۔ تمہارے سانس میں نعش کی بو ہے! اکبر۔ (ایک رنگ چہرے پر آتا ہے ایک جاتا ہے)

سلیم۔ شیخو تمہارا بچہ نہیں۔ دیکھو تمہاری وہ پڑی ہے (دلارام کیطرف اشارہ کر کے) جاؤ اس سے لپٹو اور اس پر آنسو بہاؤ۔ اکبر۔ دلارام!

سلیم۔ ہاں تمہارے قید خانے کی کلید۔ تمہارا خون کا فرمان۔ تمہارا کچل ڈالنے والا پتھر!

اکبر۔ (آنکھیں بند کر کے) خداوندا! یہ دن بھی دیکھنا تھا۔

سلیم۔ اس کی سرد نعش میں روح یہ کہنے رکی ہوئی ہے کہ میں نے سلیم کو چاہا اور اس نے انکار کیا۔ اس نے انارکلی کو چاہا اور میں نے انتقام لینے کیلئے انارکلی کو برباد کیا۔ جاؤ اس سے سینہ اور کلیجہ ٹھنڈا کرو۔ اور پھر اپنے فرزند دار وغہ زنداں کو بلاؤ اس بیبے کے کمینے غلام کو جسنے دولت پر انارکلی کو بیچنا چاہا اور تمہارے ہاتھ اس لئے بیچ ڈالا کہ تم زیادہ امیر تھے۔

اکبر۔ کھوئی ہوئی نظروں سے سامنے تکتے ہوئے شیخو! یہ سچ ہے؟ ——

اکبر۔ (غضبناک ہو کر) اس سے انتقام لیا جائیگا۔

ثریا۔ اس سے؟ اور شہنشاہ تم سے نہیں؟ تم بچ جاؤ گے؟ آسمان نہ ٹوٹے، بجلیاں نہ گریں، زلزلے نہ اٹھیں لیکن یہ چیکاری جیسے دوزخ کی ہوائیں سرخ کر رہی ہیں تمکو اور تمہارے محلوں کو تمہاری سلطنت کو، سب کو پھونک کر راکھ بنا دیگی (غصے میں سیڑھیاں اتر کر اکبر کی طرف بڑھتی ہے مگر پاس پہنچنے کے بعد جب اکبر اس پر نظر ڈالتا ہے تو سہم جاتی اور آہ کہہ کر بیہوش ہو جاتی ہے)

اکبر۔ (سلیم کی طرف بڑھتا اور اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا ہے سلیم بکھری ہوئی آنکھیں بند کئے چپ چاپ بیٹھا ہے) سلیم! تم ہوش میں آ گئے تم سن سکتے ہو؟ سمجھ سکتے ہو؟

سلیم۔ (ہلکی آواز میں) مجھے کچھ نگل رہا ہے۔ مجھے کچھ گھونٹ رہا ہے، ویرانوں میں سے چیخیں آرہی ہیں، دیواروں میں سرگوشیاں ہیں، ہواؤں میں کچھ لرز رہا ہے (یک لخت کانپ اٹھتا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتا ہے) کیا ہے؟ میں کہاں ہوں؟ (اکبر کو دیکھ کر) تم کون ہو؟ (ظل الہی، اٹھ کر دوزانوں ہو جاتا ہے) تم شہنشاہ ہو، سخی ہو، رحیم ہو، مجھے خنجر لا دو میں اس کے بعد بھی تمکو باپ کہوں گا۔ تمہارے قدموں میں سر رکھ دونگا تمہارے ہاتھ چوم لونگا مجھے للہ ایک خنجر لادو۔

اکبر۔ (آنکھوں میں آنسو امنڈ آتے ہیں) خداوندا! کیا معلوم تھا یوں ہوگا۔ شیخو؟ میرے مظلوم بچے میرے جنوں بچے، اپنے باپ کے سینے سے چمٹ جا اگر ظالم باپ سے دنیا میں کوئی راحت بھی پہونچی ہے تیرے سر پر اسکا ایک احسان بھی باقی ہے۔ تو میرے بچے اسوقت میرے سینے سے چمٹ جا میں شعلوں میں بھنا رہا ہوں تو میرے سینے سے چمٹ جا اور تو بھی آنسو بہا اور میں بھی آنسو بہاؤنگا۔ (اکبر ہاتھ پھیلاتا ہے۔ سلیم کھڑا ہو جاتا ہے اور ذرا باپ کو دیکھتا رہتا ہے) سلیم منہ موڑ لیتا ہے اور ہاتھ پیشانی پر رکھ کر خاموش مسند پر بیٹھ جاتا ہے اکبر کے ہاتھ مایوسی سے گر پڑتے ہیں)

مجھے جھوٹ موٹ، ایک دفعہ باپ کہہ، صرف ابا کہہ کر پکار لے (آنسو اور زیادہ امنڈ آتے ہیں) میں تجھے خنجر تک لا دونگا۔ ہاں خنجر تک لا دونگا۔ مگر بیٹا یہ بدنصیب باپ جسے سب شہنشاہ کہتے ہیں اپنا سینہ ننگا کر دیگا۔ خنجر اسکے سینے میں بھونک دینا، پھر تو دیکھے گا اور دنیا بھی دیکھے گی کہ اکبر باہر سے کیا ہے اور اندر سے کیا ہے۔ اکبر کا قہر اکبر کا ستم اور اکبر کا ظلم کیوں ہے۔ اسکے قطرہ نہیں، ایک بوند نہیں۔ وہ سب کا سب شیخو کا باپ ہے صرف باپ۔ وہ بادشاہ ہے تو تیرے لئے وہ مزدور ہے تو تیرے لئے وہ قاہر اور جابر بھی ہے تو تیرے لئے وہ تیرا غلام ہے اور میرے جگر گوشے غلاموں سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ (اکبر سسکیاں بھرتا ہوا منہ موڑ لیتا ہے اور ضبط کی کوشش کرتا ہے، رانی گھبرائی ہوئی حرم کے دروازے سے داخل ہوتی ہے جلدی جلدی سیڑھیاں اتر کر اندر آتی اور مسند پر بیٹھ کر سلیم کو آغوش میں لے لیتی ہے سلیم سامنے ہواؤں میں بے معنی نظروں سے تک رہا ہے)

رانی۔ میرا سلیم۔ میرا سلیم، لٹا ہوا بچہ، زخمی جگر کا ٹکڑا۔ میرا نامراد شہزادہ۔ (آگے جھک کر) کہاں دیکھ رہا ہے چندا۔ ہواؤں میں کیا ہے؟

سلیم۔ (آہستہ سے) وہ راہ تک رہی ہے وہاں راستہ تک رہی ہے۔ اس کے فق چہرے پر فریاد ہے۔

دھندلی آنکھوں میں انتظار ہے نیلے ہونٹ پر سلیم ہے (بیتاب ہوکر) مجھے وہاں بھیج دو۔ میری کوئی ماں ہے۔ تو بھیج دے میرا کوئی باپ ہے تو بھیج دے اس محل میں کوئی انسان ہے تو بھیج دے بدنصیب روح کا معصوم انار کلی کا صبر نہ لو۔ اجڑ جاؤ گے اس محل میں وہ ناشاد روح سائیں سائیں کرے گی۔ دیواروں میں پناہ نہ ہوگی، قبر میں پناہ نہ ہوگی۔ آسمان تک میں پناہ نہ ہوگی۔

رانی۔ (آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے) دیکھا۔ مہابلی دیکھ لیا۔ تمہارے سینے میں ٹھنڈک پڑ گئی۔ جاؤ۔ اپنے تخت پر جاؤ حکومت کرو۔ فتحیں پاؤ، اولاد کو برباد کر دیا۔ ماؤں کو خون رلا دیا اور کیا چاہتے ہو؟

(اکبر آنسو پونچھتا ہوا بھاری قدموں سے سیڑھیوں کی طرف جاتا ہے)

سلیم۔ (ماں سے لپٹ کر روتے ہوئے) اماں! انار کلی! اماں! انار کلی!

رانی۔ (سلیم کو لپٹا کر اور اپنا رخسار اس کے سر پر رکھ کر) میرے لال! وہ زندہ رہے گی۔ وقت کی گود میں زمانہ کی آغوش میں۔ یہ لاہور اس کا نام زندہ لکھے گا۔ دنیا اس کی داستان سلامت رکھے گی اور تو بھی میں بھی اور دور دراز کی نسلیں بھی اس پر آنسو بہائیں گی سن رہا ہے چاند!

(سلیم ماں کے سینہ سے سر لگائے رو رہا ہے، ماں اس کے سر پر شفقت مادری کا سکون پرور ہاتھ پھیر رہی ہے)۔

اکبر دل شکستہ اور آنسو بہاتا ہوا ایوان کی سیڑھیاں چڑھ رہا ہے گویا ان کے اوپر نامرادی اور غم نصیبی کا ویرانہ ہے اور اس نے اپنے لئے اسی کو پسند کر لیا ہے)

"پردہ"

ختم شد